جلد 20 شمارہ 7 ماہ جولائی 2018ء شوال/ ذیقعد 1439ھ

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا

اللہ

صداقت

محبّت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

فلاحِ آدمیّت

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ 30/- روپے

سالانہ فنڈ 300/- روپے

اس شمارے میں

بارگاہ ربّ العزت میں حمدو ثناو التجا

پروردگار بحر و بر، اے مالک جن و بشر تابع تیرے شمس وقمر، ہر شے تیرے زیر اثر
معبودتو ہی بالیقیں ، تیرے سوا کوئی نہیں کیاآسماں اورکیازمیں،خم ہے جہاں سب کی جبیں
بس ایک تیرا آستاں، بس ایک تیرا سنگ در
پروردگار بحرو بر

وہ طائران خوش نوا ، وہ لہلہاتے سبزہ زار وہ ذرّہ ناچیز ہو ،یا کہساروں کی قطار
تسبیح کرتے ہیں تیری،سب بے حساب و بے شمار غافل ہیں ہم انسان مگر
پروردگار بحرو بر

تو واحدو برحق بھی ہے،تو قادر مطلق بھی ہے یا رب مصطفٰی تو بخش دے میری خطا
اس ملت مظلوم کو، اس امت مرحوم کو دے زندگی، کر زندہ تر
پروردگار بحرو بر

ہیں وقت کے خاروں میں ہم، آفات کے غاروں میں ہم
لگتی ہیں اپنی بولیاں ، رسوا ہیں بازاروں میں ہم
بے شک سرفہرست ہیں، تیرے گنہگاروں میں ہم، پھربھی ہے یہ قرآن میں یعنی تیرے فرمان میں
لاتقنطو ، لاتقنطو، ستارتو غفارتو ،پہچان ہے رحمت تیری، ہے شان تیری درگزر
پروردگار بحرو بر

دیتے ہیں تجھ کو واسطہ، ہم صاحب معراج کا
سارے زمانے ہیں تیرے، سارے خزانے ہیں تیرے
تو وقت کی رفتار رکو، اک بار پھر سے موڑ دے
ہم عاصیوں کے ہاتھ میں، غیروں کا جو کشکول ہے
قدرت سے اپنی توڑ دے، اے رازق شاہ و گدا، اے خالق شام و سحر
پروردگار بحر و بر

پھر سامنے فرعون ہے، خون رنگ ہے دریائے نیل
پھر آتش نمرود کی زد میں اولاد خلیل
فتنہ گروں کی چال سے واقف ہے تو رب جلیل
پھر سے ابابیلوں کو بھیج، پھر آگ کو گلزار کر
پروردگار بحر و بر

اک حشر ہے چاروں طرف، دشمن کھڑے ہیں صف بہ صف
کیا بت پرستوں سے گلا، اپنے بھی ہیں خنجر بکف
موسیٰ و عیسیٰ کے خدا، اسلام ہے سب کا ہدف
احساس دے توفیق دے، پھر جذبہ صدیق دے
پھر سے کوئی خیبر شکن، پھر بھیج دے کوئی عمر
پروردگار بحر و بر

نعت شریف

میرا پیامبر عظیم تر ہے کمال خلاق ذات اس کی
جمال ہستی حیات اس کی بشر نہیں عظمت بشر ہے میرا پیامبر عظیم تر ہے

وہ شرع احکام حق تعالیٰ ، وہ خود ہی قانون خود حوالہ
وہ خود ہی قرآن ، خود ہی قاری ، وہ آپ مہتاب آپ حالہ
وہ عکس بھی اور آئینہ بھی ، وہ نقطہ بھی ، خط بھی ، دائرہ بھی
وہ خود نظارہ ہے خود نظر ہے ، میرا پیامبر عظیم تر ہے

شعور لایا ، کتاب لایا ، وہ حشر تک کا نصاب لایا
دیا بھی کامل نظام اس نے اور آپ ہی انقلاب لایا
وہ علم کی اور عمل کی حد بھی ، ازل بھی اسکا اور ابد بھی
وہ ہر زمانے کا رہبر ہے ،میرا پیامبر عظیم تر ہے

وہ آدم و نوح سے زیادہ ، بلند ہمت ، بلند ارادہ
وہ زہد، عیسیٰ سے کوسوں آگے ، جو سب کی منزل وہ اس کا جادہ
ہر اک پیغمبر نہاں ہے اس میں ، ہجوم پیغمبراں ہے اس میں
وہ جس طرف ہے ، خدا ادھر ہے ، میرا پیامبر عظیم تر ہے

بس اک مشکیزہ اک چٹائی ، ذرا سے جو اور ایک چار پائی
بدن پہ کپڑے بھی واجبی سے ، نہ خوش لباسی نہ خوش قبائی
یہی ہے کل کائنات جس کی ، گنی نہ جائے صفات جس کی
وہی تو سلطان بحر و بر ہے ، میرا پیامبر عظیم تر ہے

جو اپنا دامن لہو سے بھر لے ، مصیبتیں اپنی جان پہ لے
جو تیغ زن سے لڑے نہتا ،جوغالب آ کر بھی صلح کر لے
اسیر دشمن کی چاہ میں بھی مخالفوں کی نگاہ میں بھی
امیں ہے ،صادق ہے ، معتبر ہے ،میرا پیامبر عظیم تر ہے

جسے شہہ شش جہات دیکھوں ، اسے غریبوں کے ساتھ دیکھوں
انعام کون مکاں جو تھامے ، کدال پہ بھی وہ ہاتھ دیکھوں
لگے جو مزدور شاہ ایسا ، نہ زر ، نہ دھن سربراہ ایسا
فلک نشیں کا زمیں پہ گھر ہے ،میرا پیامبر عظیم تر ہے

وہ خلوتوں میں بھی وہ صف بہ صف بھی وہ اس طرف بھی وہ اس طرف بھی
محاذ و ممبر ٹھکانے اس کے وہ سر بسجدہ بھی سر بکف بھی
کہیں وہ موتی، کہیں ستارہ ، وہ جامعت کا استعارہ
وہ صبح تہذیب کا گجر ہے ،میرا پیامبر عظیم تر ہے

(مظفروارثی)

اصلاح کا کام

(قبلہ محمد صدیق ڈارؒ)

ارکان سلسلہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی سلسلہ توحیدیہ قائم کرنے کی غرض و غایت کیا تھی۔ آپ نے سلسلہ کی مکمل تعلیم، اس کی انفرادیت اور اغراض و مقاصد کو اپنی تصانیف میں بڑی وضاحت کے ساتھ تحریر فرما دیے۔ آپؒ نے روحانی بنیادوں پر اصلاح کی اس تحریک کو شریعت کے مطابق اور سائنسی بنیادوں پر منظم کیا تا کہ اللہ والے صوفیوں کی ایک جماعت تیار کی جائے، جو مخلوق خدا کی خدمت اور اصلاح کا کام روحانی طریقے سے انجام دے سکے۔

اصلاح کے لیے مطلوبہ صلاحیت پیدا کرنے کے لیے سلسلہ کی تعلیم میں کثرت ذکر کے ساتھ ساتھ نماز کی پابندی اور اخلاق کی اصلاح پر بہت زور دیا گیا ہے اور تمام مریدوں کو اس تعلیم پر پورے جوش و جذبہ اور ثابت قدمی سے عمل کرنے کا حکم ہے۔ کیوں کہ اصل چیز تعلیم ہی ہوتی ہے۔ شخصیتیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ لیکن تعلیم باقی رہتی ہے۔ اسی لیے بانی سلسلہ نے کبھی بھی شخصیت پرستی کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔ آپؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم دیدار بازی کے قائل نہیں ہیں۔ مرشد کو زندگی میں دو چار مرتبہ دیکھ لینا کافی ہے اصل کام تعلیم پر عمل ہے۔ تعلیم پر عمل کرو گے تو جہاں بھی ہو گے تمہیں میرا فیض پہنچتا رہے گا۔ اگر تعلیم پر عمل نہ کرو گے تو میرے ساتھ رہنے سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا۔

قارئین کرام! اس وقت ہمارا ملک بلکہ پورا عالم اسلام جس نازک دور سے گزر رہا ہے اور جو ہماری اخلاقی حالت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ بایں ہمہ بھی مایوس ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ ہمیں رجائیت کی تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر کرم فرما دیں تو حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ لیکن اسلام بے عملی کی تعلیم نہیں دیتا اس لیے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا کسی صورت

بھی مناسب نہیں ہے۔ہم سب بھائی دل سے یقین رکھتے ہیں کہ بانی سلسلہ کی تعلیم قرآن کریم اور حضور رحمۃ اللعالمین کی سنت کے عین مطابق ہے۔اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تعلیم کے علمبردار رہونے کی حیثیت سے جو عظیم ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اس کا احساس کریں اور اس تعلیم کو نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے کونے کونے میں پھیلانے کے لیے عزم مصمم کرلیں۔یہ بہت بڑا کام ہے لیکن اللہ کی مدد شامل حال ہو تو کوئی چیز ناممکن نہیں رہتی۔ہاں شرط یہ ہے کہ اللہ کی خاطر اس کام کے لیے ہمت باندھ لیں۔اللہ تعالیٰ سورہ محمد آیت نمبر ۷ میں ارشاد فرماتے ہیں:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝

ترجمہ: ''اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔''

میں انتہائی دل سوزی کے ساتھ سلسلہ کے بزرگ اور نوجوان بھائیوں کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ وقت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اصلاح اُمت کے کام کو دوسرے سب کاموں پر فوقیت دیتے ہوئے اسے اپنی زندگی کا مقصود قرار دے لیں۔اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی اصلاح کا کام بانی سلسلہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہر بھائی، ہر جگہ اور ہر مناسب موقع پر کرنے کا عزم کرے۔لوگوں کے دل اور انسانی کوشش کے ثمرات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ ہمیں نتائج کو اللہ پر چھوڑتے ہوئے لوگوں کو نماز کی پابندی، کثرت ذکر، توکل علی اللہ اور کسب حلال کی دعوت دینے کا کام جوش وجذبہ کے ساتھ جاری رکھنا ہے۔اس سلسلہ میں بھائیوں کے ذہن میں جو تجاویز ہوں وہ ضرور سامنے لائی جائیں تا کہ انہیں اپنا کر بہتر نتائج حاصل کیے جائیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے جو بندے غفلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو بھولے ہوئے ہیں، اس کے در پر آ جائیں۔اور حضور نبی کریم ﷺ کا اتباع کرتے ہوئے دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائیں۔

محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اللہ کی مخلوق کی اصلاح کا کام کرنے سے بڑی کوئی نیکی نہیں ہے۔یہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرنا ہے اور اس کی راہ میں دل اور جان

سے جہاد کرنے والوں کو اللہ نے دنیا اور آخرت میں اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے اور آپ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کے فروغ کے لیے جس قدر خلوص اور محنت سے کام کریں گے اللہ اپنے فضل سے روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ اسی قدر دنیوی خوش حالی بھی عطا فرمائے گا۔

اللہ کے بھروسہ پر یہ کام ہمیں ہی کرنا ہے کیوں کہ اس کے لیے آسمان سے فرشتے تو نہیں آئیں گے۔

البتہ جو اللہ کی رضا کی خاطر کام کرتے ہیں اللہ ان کی مدد ضرور فرماتے ہیں اور اگر فضائے بدر پیدا ہو جائے تو فرشتے بھی مدد کے لیے اتر آتے ہیں۔ میں اپنی علمی بے مائیگی کے باوجود اپنی سمجھ بوجھ اور اہلیت کے مطابق اپنے ہادی و مرشد کے مقدس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی سی کوشش کر رہا ہوں۔

اللہ کی رضا اور حضور ﷺ کی خوشنودی کی خاطر تعمیرِ ملت کے اس کام میں آپ بھائی جو تعاون کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین!

جو اللہ تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں اللہ ان کا ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کے دین کی رحمتیں اور برکتیں اور مادی سہولتیں دوسرے انسانوں تک پہنچانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں اللہ ان کے کاموں کو سنوارنے میں لگ جاتے ہیں اور ان کے سب کاموں میں برکت ڈال دیتے ہیں۔

اب میں سلسلہ توحیدیہ کی تنظیم کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارا یہ سلسلہ کوئی سیاسی یا معاشرتی جماعت نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک خاص صوفیوں کی جماعت ہے۔ یہ سلسلہ صرف لوگوں کے اخلاق کی اصلاح روحانی طریقوں سے کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ روحانی سلسلوں میں جب تک اپنے شیخ یعنی مرشد کی کامل اطاعت نہ کی جائے تصوف کا علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے جو لوگ واقعی ترقی کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اپنے مرشد کی ہدایات پر پوری دل جمعی کے ساتھ عمل کریں۔ اس کے علاوہ بزرگوں کی صحبت کے بارے میں ایک نازک سا نکتہ یہ ہے کہ روحانی فیض صرف اور صرف محبت کے تاروں کے

ذریعے منتقل ہوتا ہے۔اس لیے کسی بزرگ سے فیض حاصل کرنے کے لیے ان کے ساتھ صرف عقیدت کا ہونا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس میں محبت کی چاشنی کا شامل ہونا بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح جس آدمی کی اصلاح کرنا مقصود ہو جب تک اس کے لیے پوری دل سوزی کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ آپ کے اندر کارفرما نہیں ہوگا اصلاح کا کام بارآور نہیں ہو سکے گا۔اس لیے آپ سب بھائیوں کو محبت کے جذبہ کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینا چاہیے۔کیوں کہ دل محبت ہی سے فتح کیے جاتے ہیں۔اس اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ گناہ سے تو نفرت ہونی چاہیے لیکن گنہگار سے ہرگز نہیں۔اس پر تو آپ کو رحم آنا چاہیے کہ بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا گیا یہ انسان ناسمجھی، کج فہمی اور غفلت کی وجہ سے جہنم کے گڑھے کی طرف بڑھے چلا جا رہا ہے اور اسے اس دردناک انجام سے بچانے کے لیے اپنی ساری ہمت صرف کر دینی چاہیے۔اگر ہم یہ کام محض اللہ کی رضا کی خاطر سرانجام دیں اور اس میں ذاتی بزرگی کا خیال اور نام ونمود کی خواہش کی کوئی آمیزش نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت یقیناً ہمارے ساتھ ہوگی۔ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی بندہ اللہ کا کام کر رہا ہو اور اللہ اس کی مدد نہ کرے۔آپ قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کے احکام کے مطابق نماز اور کثرت ذکر سے دلوں میں روحانی قوت پیدا کریں اور محبت وصداقت اور خدمت انسانیت کے عظیم مقصد کا علم تھام کر پوری دل جمعی کے ساتھ اصلاح کا کام شروع کر دیں تاکہ چراغ سے چراغ جلتے چلے جائیں اور محبت کا فیض عام ہو جائے اور کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسان اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کی رحمت کے سایہ میں آ کر فلاح دارین حاصل کر سکیں۔اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو، ہماری راہنمائی فرمائے، ہر مشکل آسان فرمائے، اس عظیم کام کے لیے مطلوبہ ذرائع اور روحانی قوت عطا فرمائے اور لوگوں کے دلوں کو دین حق کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

ایک بھائی نے کہا کہ بابا جی! یہ جو دولت کی فراوانی ہے، یہ بڑی خرابیاں پیدا کرتی ہے۔ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔ بابا جانؒ فرمانے لگے:

اللہ کا شکر کریں! جن کو اللہ نے ان سنہری چیزوں سے نہیں آزمایا۔غربت میں تو اللہ یاد آتا ہی ہے، اس میں اللہ بھی بھول جاتا ہے۔ ہے تو ٹھیک یہ۔ کسی میگزین یا مجلّہ میں ایک کیس تھا کہ کسی نے زمین کے تنازعہ پر بھائی کو مارا، بھتیجوں کو مارا۔ یہ کیا، وہ کیا۔ زمین کے بارے میں ایسا ہی ہوتا ہے ناں!!۔ جج نے پھر سزا لکھی۔ زمین جو تھی وہ بھی مقتول کے ورثاء ـــ۔ اس میں آگے لکھا تھا کہ وہ لوگ اچھے ہیں جو اپنی اولاد کے لئے زمینیں نہیں چھوڑ کے جاتے۔ یہ لڑ لڑ کے مر جاتے ہیں۔ بھتیجوں کو مار دو، زمین ہمارے قبضے میں آجائے۔ لڑکیاں ہیں تو ان کی شادی نہیں کرتے کہ زمین باہر نہ چلی جائے۔ قرآن سے شادی۔ ایسے کام ادھر لوگ جو کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ قرآن سے تیرا نکاح ہو گیا ہے، بس اب تیرا نکاح نہیں ہو سکتا۔ ادھر ہی بیٹھنا ہے ساری عمر ایسی ایسی باتیں نکالی ہوئی ہیں۔ یہ دولت ہی ہے جو لے کر بیٹھ جاتی ہے۔ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۔ ''تمہیں زیادہ ہونے کی ہوس نے گمراہ کر دیا ہے۔ اور زیادہ۔ اور زیادہ تکاثر۔ اسی چکر میں آدمی پڑا رہتا ہے۔ سارے کام، سارے اخلاقیات، سب کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ درندہ بن جاتا ہے خونخوار، مارو۔ زمین جو ہے، یہ پیسہ جو ہے وہ قابو آجائے۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں انہوں نے کبھی زکوٰۃ نہیں دی۔ نہ وہ اکٹھا ہوا سال بھر اتنا سونا اور چاندی کہ سال بھر اکٹھا رہے۔ جو آتا تقسیم کرتے۔ مسجد سے ادھر ہی آتا اور تقسیم ہو جاتا۔ علامہؒ نے بھی لکھا ہے کہ

مردِ درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ　ہے کسی اور کی خاطر یہ نصابِ زر و سیم

فقیر آزاد ہی ہوتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔ یہ نصاب زر و سیم ہمارے لئے نہیں ہے۔ جو ہے بانٹ دو۔ اسی کا دیا ہوا ہے۔ اس میں سے دے دو۔

خلاء میں قائم نہیں ہو سکتی کوئی چیز بھی۔ اعلیٰ جذبات یا محبت۔ وہ اندر ہو گی کوئی چیز تو اس کے اثرات سے کوئی چیز آپ قربان کر سکتے ہیں یا جو اس سے اعلیٰ جذبہ مل جائے۔ خدا کی محبت ملے گی تو ماسوا اللہ سے دل غنی ہو گا، ورنہ نہیں ہو سکتا۔ علامہؒ نے بھی کہا۔

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں　کہ پایا میں نے استغناء میں معراجِ مسلمانی

اس میں مت ڈھونڈ۔ اس میں وہ نہیں ملے گی۔ وہ جو پیار والی بات ہے، دل والی بات۔

وَمَا عَلَینَا اِلَّا البَلاغ۔ اللہ نے کہا کہ آپ کا کام پہنچا دینا ہے۔ بتا دیں۔ آگے آپ کو داروغہ بنا کر نہیں بھیجا۔ خود کرے گا۔ اسے عقل، سمجھ والا بنایا ہے۔ درخت کو کھا سکتا ہے، کام والی طرف خود چلا جاتا ہے۔ اور یہ بھی تو ہے کہ میرا خدا ہے۔ میں نے اس کا کہا ماننا ہے۔

علم کی بنیاد تو یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو جانو کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ مجھے کیسے بنایا ہے؟ آگے ایٹم کی سائنس اور کیا کچھ بنانے کی بات ہے، اپنا نہیں پتا کہ میں کیا ہوں؟ اسی لئے وہ حدیث تو نہیں قول ہے کسی کا کہ **مَن عَرَفَه نَفسَه فَقَد عَرَفَه رَبَّه**۔ جس نے اپنے آپ کو جان لیا، پہچان لیا۔ میں کیا ہوں؟ کس لئے بنایا گیا ہوں؟ کیوں بھیجا گیا ہوں؟ وہ اللہ کو بھی پہچان لے گا۔ پہلے اگر یہی نہیں پتا کہ میں کیا ہوں اور کس لئے آیا ہوں، باقی سائنس اور علوم جو ہیں، ان کا کیا کرے گا؟

قبلہ باباجانؒ (محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ) نے بھائیوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو پیار کیا اور اپنا واقعہ سنایا:

''میں خالد ڈار صاحب کے پاس گیا ہوا تھا۔ وہاں سامنے ہی ان کے ایک پڑوسی

گجرات سے ہیں۔ان کا آپس میں کافی آنا جانا ہوگیا ہے۔ان کی ایک چھوٹی سی بچی ہے جو وہاں ہمارے بچوں کے ساتھ ہی کھیلتی رہتی ہے۔میں گیا تو اسے کہا کہ سنائیں ذرا کچھ۔درود شریف پڑھیں۔اس نے اپنی توتلی زبان سے **اللھم صلی علیٰ سیدنا محمد**۔بڑی سُر سے سنایا۔اس کا نام رکھا 'قاف'۔اسے کہا کہ نعت بھی سناؤ۔اس نے بڑی اچھی سُر سے سنائی۔

لگیاں نے موجاں تے لوائی رکھیں سوہنے آں (توتلی زبان میں)

یہ مسلمانوں کی خوش نصیبی ہے کہ پیدا ہوتے ہی سب سے پہلی آواز اللہ کی ڈالتے ہیں ہمارے کانوں میں۔اللہ۔اللہ۔اذان کی آواز دیتے ہیں کہ پہلی آواز اللہ کی جائے۔پھر جب بولنے لگتے ہیں تو حکم ہے کہ بچے کو اللہ سکھاؤ۔بات کرنی شروع کرے تو اس کو یہ سکھاؤ۔اللہ۔بات کرے تو کلمہ سکھاؤ۔ **لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ** ۔اس کے ساتھ ساتھ چلنا ہے۔اس کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہو جائے اور قائم رہے۔**سورۃ الجمعہ** میں یہود کے متعلق آتا ہے کہ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا ۔ ان کی مثال ایسی ہے جن کو تورات دی گئی تو وہ اس کو سنبھال نہ سکے۔ان کو اٹھوایا گیا مگر اٹھائی نہیں انہوں نے۔ كَمَثَلِ الْحِمَارِ ۔ یہ ان گدھوں کی طرح ہیں جن پر کتابیں لدی ہوئی ہیں۔اب کتاب تو ہے جی ہمارے پاس لیکن کسی گدھے سے جتنی مرضی آپ حکمت کی باتیں کریں مگر وہ گدھا ہے، گدھا ہی رہے گا، جب وہ ان سے فائدہ نہیں اٹھا رہا۔

اللہ کی عظیم ترین نعمت قرآن پاک کی کتاب مسلمانوں کے گھر میں پڑی ہے۔پوری دنیا کی کوئی قوم کہہ نہیں سکتی کہ ہمارے پاس Original کتاب ہے۔یا کوئی انسان چاہتا ہے کہ **اللہ** کی خوشنودی حاصل کرنا چاہے تو کیسے کرے، کوئی نہیں سوائے اس کے۔اور کوئی کتاب نہیں راہنمائی والی۔راہنمائی والی کتاب یہی Book ہے۔اب یہ ہماری قسمت یا بدقسمتی ہے کہ اب ہم اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں یا نہیں اٹھاتے۔اللہ نے کبھی کہا کہ یہ اسی لئے بھیجی تا کہ تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے اس میں ہدایت ہے اور تم سے سوال کیا جائے گا۔یہ بھیجی ہے۔اللہ نے

بھیجی ہے۔سرکار نے بھیجی ہے۔آپ عمل نہیں کریں گے تو پوچھا جائے گا۔کیا کیا تھا اس کے ساتھ؟ یہاں تو مولویوں کا جس طرف مرضی رجحان چل پڑتا ہے۔جو بخشانے والے آتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سب کو جنت میں لے کر جانا ہے یہاں جو مرضی کرتے رہیں۔قرآن میں یہی لکھا ہے کہ میرا رسول جو ہے وہ خود کہے گا کہ یا اللہ یہ ہے میری قوم جنہوں نے تیرے قرآن کو پسِ پشت ڈال دیا۔اگر FIR ہی انہوں نے جمع کرا دی تو پھر کہاں بخشش ہو گی؟ پھر کہاں شفاعت ہو گی؟ شفاعت صرف ان کے لئے ہے جن کی نسبت ان کے ساتھ ہے۔یہ ہے میری قوم جنہوں نے قرآن کو پسِ پشت ڈال دیا تھا۔کہیں گے کہ امت تو میری ہے۔امت تو آپ ﷺ ہی کی ہے اور کہا کہ انہوں نے یہ کیا ہے۔جو اللہ کی طرف سے آئے وہ بھی یہ کہتے تھے کہ میرے آنے کے بعد لوگ دوزخ میں جائیں تو بڑے افسوس کی بات ہے۔حضور رحمۃ للعالمین ﷺ آئے۔ساری دنیا کے لئے رحمت بن کر آئے ،جن کی امت میں آنے کے لئے انبیاء خواہش کرتے تھے کہ ہم اس وقت میں آئیں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں آیا ہوں تو اب یہ پھر دوزخ میں جائیں تو یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔افسوس تو ہے ہی۔رحمۃ للعالمین ﷺ کو افسوس تو ہو گا ہی ، کیوں گئے۔اتنی سادہ بات۔کوئی بوجھ نہیں۔کوئی مشکل نہیں پیدا کی۔سزاعاً کوئی چیز حرام نہیں کی۔دو چار چیزیں ہیں۔باقی سب کھاؤ، موج کرو۔نہ کام کاج چھوڑنے کو کہا۔نہ پہاڑوں میں بیٹھنے کو، رہبانیت کو کہا کوئی ضرورت نہیں۔بادشاہ کا اپنا نظام ہے۔

حضور ﷺ بھی پریشان ہوتے تھے۔کہا کہ آپ ﷺ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔آپ ﷺ مت جان گھلائیں۔اگر ہم چاہیں تو ایسی نشانی اتاریں کہ سب سربسجود ہو جائیں لیکن ہم نے نہیں کرنا ان کے لئے۔آپ ﷺ کا کام پہنچا دینا ہے۔ادھر آجائیں گے سارے تو ہم دیکھ لیں گے۔پہنچا دینا آپ ﷺ کا کام ہے۔عَلَیْكَ الْبَلَاغ، عَلَیْكَ الْحِسَاب۔آپ ﷺ کا کام پہنچا دینا ہے۔حساب ہم نے کرنا ہے۔اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ فکر نہ کریں۔آپ ﷺ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ ایمان کیوں نہیں لائے۔آپ ﷺ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ

یہ جہنم میں کیوں گئے۔آپ ﷺ بتادیں کہ یہ ہے۔یہ زندگی ہے،اس کے بعد دوسری زندگی ہے۔ جن کو زیادہ یقین تھا انہوں نے اس کے ساتھ دل ہی نہیں لگایا۔انہیں پتا ہے کہ یہ چھوڑ جانا ہے۔ یہ مکان صبح خالی کر دینا ہے۔کون کہے گا کہ فلاں چیز لاؤ اور فلاں چیز لاؤ۔انہوں نے اس کو Decorate نہیں کیا۔

ایک امیر مسلمان تھا۔اس نے چھوٹا سا مکان بنایا۔بڑی دولت تھی۔کسی نے کہا کہ بڑا پیسہ ہے،آپ نے یہ چھوٹا سا مکان بنایا ہے۔کہا کہ چھوڑ کے جانے کے لئے یہی کافی ہے۔جسے چھوڑ ہی دینا ہے اس کے لئے یہی کافی ہے۔بڑے بڑے بنا کر کیا کرنا ہے۔سب کو پتا ہے کہ چھوڑ جانا ہے لیکن آگے والی بات جو ہے وہ پیدا ہو تو بات ہے۔سب کو پتا ہے کہ باپ دادا سب چلے گئے۔موت آنی ہے۔چھوڑ کر چلے جانا ہے لیکن ساتھ اس کی کشش ہے۔اس میں ساری صلاحیتیں جو ہیں،سارا زور،ساری عقل وفہم اسی میں لگا دیتے ہیں۔سورۃ الکہف میں آیا ہے؛

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالاً (آیت۱۰۳)

ہم بتائیں آپ کو سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے کون ہیں؟اللہ فرماتا ہے: هَلْ نُنَبِّئُكُمْ ۔ہم آپ کو خبر دیں؟ بِالْأَخْسَرِينَ ۔کون سے لوگ ہوں گے۔یہ کہ انہوں نے ساری اہلیت اس دنیا میں ہی صرف کر دی۔اسی میں لگا دی۔وہاں کچھ بھی نہیں ملے گا۔سارا زور لگایا جو بھی کرے گا اسے دیں گے۔دنیا کے معاملے میں ہم نے بخل نہیں کیا۔ان کو دے دی دنیا۔وہاں کچھ بھی نہیں ہوگا۔کوئی چیز نہیں ہوگی۔سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے وہ لوگ ہیں۔

الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعا۔(سورۃ الکہف۱۸۔آیت۱۰۴)

اپنی ساری سعی۔ساری کوشش حیاتِ دنیوی کے لئے صرف کر دی۔اللہ کی آیات پر آخرت پر یقین نہیں کیا۔وہ اس کو مانتے ہی نہیں۔ سورۃ الکہف کی آیت ۱۰۵ میں فرمایا:

أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ۔

قیامت کے دن ان کے لئے ہم میزان بھی قائم نہیں کریں گے۔کیسی میزان؟ بندے کے سب کام ادھر ہی چلے گئے ۔اعمال کیسے؟ خدا کو اور آخرت کو مانتا ہی نہیں ہے۔اس کے اعمال صالح کہاں سے پیدا ہوں گے۔ان کے لئے کہا کہ میزان بھی قائم نہیں کریں گے۔بات بھی نہیں کریں گے۔آمنا سامنا بھی نہیں ہوگا۔لے جاؤ۔باہر سے باہر ہی لے جاؤ۔وہ پیغام تو سارے ہو گئے ناں جی۔اللہ نے دے دیے۔وہاں بھی عہد الست لے لیا۔میں تمہارا رب ہوں۔اللہ نے سارے انتظام کر دیے۔

کسی نے ایک Message بھیجا۔ایک بادشاہ تھا۔وہ گزرا تو فقیر بازار میں بیٹھا تھا۔اس نے کہا کہ سائیں بابا۔یہاں بازار میں کیوں بیٹھے ہیں؟ (فقیر نے کہا) میں یہاں کوشش کر رہا ہوں کہ اللہ کی اور بندوں کی صلح کرا دوں۔کوشش کر رہا ہوں۔(بادشاہ نے کہا) پھر ہوا کوئی کام؟ (فقیر نے کہا) نہیں جی۔وہ اللہ تو مانتا ہے۔بندے نہیں مانتے۔اللہ تو کہتا ہے کہ میرے ساتھ صلح کر لیں۔بندے نہیں مانتے۔انہوں نے اپنی مرضی کرنی ہے۔بندے نہیں مانتے دنیا کے بازار میں۔اللہ تو مانتا ہے کہ ٹھیک ہو جائیں مجھ سے صلح کر لیں، جو میں کہتا ہوں وہ کر لیں۔ لیکن بندے نہیں مانتے۔

مہینے دو بعد دیکھا کہ قبرستان میں بیٹھے رو رہے ہیں۔بادشاہ گزرا (اور پوچھا) آج ادھر ڈیرہ لگایا ہے؟ (فقیر کہنے لگا) میں اللہ میاں کی اور بندوں کی صلح کرا رہا ہوں۔(بادشاہ نے کہا) پھر؟ (فقیر نے جواب دیا) اب بندے تو مانتے ہیں مگر اللہ میاں نہیں مانتا۔(اللہ میاں کہتا ہے) تمہیں بھیجا۔نبی بھیجے، پیغمبر بھیجے، اور نیک بندے بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد پیچھے آتے گئے۔حق کی بات بتاتے رہے۔پیغام تجھے پہنچاتے رہے۔کتاب بھیجی، محفوظ کر دی۔ہم نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا۔اس میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔پرانی کتابیں تحریف ہو گئیں۔ وہ Change ہو گئیں۔بدل گیا سب کچھ۔نہ اللہ نے کسی کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، نہ ہی قائم رہیں۔اس کا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُون . (سورۃ الحجر ۱۵۔آیت ۱۰)

کہہ دیا کہ ہم نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ جو مرضی کرتے رہو، کوئی ایک حرف اِدھر اُدھر اور کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ بالکل سیدھی سیدھی جیسے نازل ہوئی تھی ویسے آگئی ہے۔ انگریزوں نے، فرانسیسیوں نے بڑا کام کیا، ہزاروں ڈالر خرچ کیے، ساری دنیا جہان سے قرآن اکٹھے کیے کہ کہیں کوئی ان کی کتاب میں فرق مل جائے۔ یہ کہتے ہیں کہ ہماری کتاب وہ ہے، کوشش کرو کہ اس میں کوئی فرق مل جائے۔ ساری دنیا سے انہوں نے قرآن کے جدید و قدیم سارے نسخے اکٹھے کیے۔ سالوں لگے لیکن کوئی فرق ملا نہیں۔ جو پرانے نسخے بغیر زیر زبر کے لکھے ہوئے ہیں، وہ بھی لیے پرانے جو کبھی پڑھے بھی نہیں جاتے۔ کسی چیز کی کمی بیشی بالکل نہیں۔ بند کر دیا ادارہ۔

وہ پیغام پہنچا دیا۔ آگے پیغام پہنچانے والے بھی پہنچا دیے۔ بات بھی ہوتی رہتی ہے۔ شیطان تو چپکے چپکے وار کرتا ہے۔ اللہ کی آواز تو میناروں سے بلند سپیکروں سے ہوتی ہے۔ اس (اللہ) کی سنتے نہیں، جو چپکے چپکے اندر سے مارتا ہے، اس کی سنتے ہیں۔ بلند میناروں سے ہو رہی ہے، اس کی نہیں سنتے۔ اس فقیر نے بھی کہا کہ اب بندے تو مانتے ہیں، اب اللہ نہیں مانتا۔ کام تو ادھر کا ہے، ادھر ہی صلح ہو جائے، جو اللہ نے کہا ہے کہ میرے بندے ہیں اسی طرح کریں اور وہ ٹھیک ہو جائے سب۔

بس جی اللہ کا اپنا نظام ہے۔ جنہوں نے کام کرنا ہے وہ کرتے رہیں بس۔ جن کی لگی ہے ڈیوٹی پہنچانے کی وہ پہنچاتے رہیں گے۔ جو آنا نہیں چاہتے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی لکھا ہے کہ جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم درمیان میں ایک چھپا ہوا نظر نہ آنے والا پردہ حائل کر دیتے ہیں کہ یہ جائے ہی نہ۔ ہم خود ہی پردہ حائل کر دیتے ہیں درمیان میں۔ کانوں میں آواز تو آتی ہے، قرآن کا وہ پیغام اور نورانی باتیں نہیں جاتیں۔ ہم خود ہی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ اب وہ پردہ اللہ میاں حائل کرے تو کون سنائے پھر۔ اللہ نے کہا ہے کہ آپ کی طرح سنتے ہیں لیکن آپ بہروں کو سنا نہیں سکتے۔ روحانی طور پر وہ بہرے ہیں۔ ویسے وہ کان ٹھیک ہیں۔ اسی طرح آپ ان کو راستہ نہیں دکھا سکتے، جو اندھے ہیں۔ آپ کی طرف دیکھ رہے

ہوتے ہیں بڑے غور سے، روحانی طور پر اندھے ہیں۔ آپ اندھوں کو راستہ نہیں دکھا سکتے۔

اللہ کے اپنے نظام ہیں۔ ان کی Categorization ہوئی ہے۔ کون بہرے ہیں۔ کون گونگے ہیں۔ کون اندھے ہیں۔ آپ جو مرضی کرتے رہیں مگر وہ ایسے ہی ہیں۔ وہ ادھر ہی رہیں گے۔ نوحؑ سے کہہ دیا کہ بس اب۔ نوسو سال سے جو ایمان لے آئے ہیں بس یہی ہیں۔ اب اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ قوم کا ایک شہر تھا۔ کچھ نہ کچھ ہزاروں میں تعداد تو ہوگی مگر کہہ دیا کہ بس یہی ہیں۔ اور نہیں ایمان لائیں گے۔ آخر میں انہوں نے بھی کہہ دیا تھا۔ انہوں نے بھی دعا مانگ لی تھی کہ اے اللہ روئے زمین پر کوئی کافر باقی نہ رہے۔ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّاراً ۔ (سورۃ النوح ۷۱۔ آیت ۲۶)۔ اتنا لمبا وعظ کیا۔ نوسو سال، ساڑھے نوسو سال۔ پھر انہوں نے بھی کہہ دیا کہ زمین پر کوئی کافر باقی نہ رہے۔ ان کو چھوڑنا نہیں کسی کو۔ اگر آپ نے چھوڑ دیا تو ان کی اولاد جو ہے وہ بھی ایسی ہوگی۔ بچے بھی بھیڑیے ہوں گے۔ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِراً كَفَّاراً ۔ (سورۃ النوح ۷۱۔ آیت ۲۷)۔ یہ ایمان آگے بھی جاتا ہے۔ بے ایمانی بھی آگے جاتی ہے۔ کہا کہ چھوڑ دیا تو ان کی اولاد بھی ایسی ہوگی۔ یہ بھی آگے جاتی ہے۔ بندہ صاحب ایمان ہے تو اللہ بچوں کو بھی ایمان عطا فرما دیتا ہے۔ بروں کا بھی ایسا معاملہ ہوتا ہے۔ آج کل بیماریاں ساری ڈاکٹر بھی چیک کرتے ہیں کہ ہاں جی تمہارے باپ، دادا میں سے کسی کو خاندانی تکلیف ہے؟ یہ سارا کچھ ورثے میں جاتا ہے۔ یہ بیماریاں جیسے یہ ٹی بی جو ہے۔

کرنے والے کرتے رہیں گے۔ پیغام پہنچاتے رہیں گے۔ آگے اللہ نے کہا کہ دوزخ کو بھرنا ہے تو یہ ہوکے رہنی ہے بات۔ اُدھر پوچھے گا اللہ میاں کہ بھر گئی ہے؟ وعدہ کیا ہے تو پوچھے گا وہاں کہ Full ہوگئی ہے؟ دوزخ کہے گی کہ ابھی اور بھی ہیں تو لے آؤ، جگہ بڑی۔ دوزخ کہے گی کہ ابھی بڑی جگہ ہے۔ لے آئیں اور بھی زیادہ ہیں تو لے آئیں۔ وہ مالک ہے جی، جیسا اس نے چاہا نظام کو بنایا ہے۔ یہ سب کچھ کیا۔ جب Choice دے دیا تو اختلاف تو ہونا ہی ہونا تھا۔ یہ تو ہوگا ہی!!!

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام: الطاف حسین بٹ صاحب

مورخہ: 03.09.2003

السَلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہ !

آپ کا خط ملا پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ کی ٹریننگ شروع ہوگئی۔ آپ خوش دلی کے ساتھ اور خوب محنت سے کام کریں اور اپنے سٹاف کے احکام کی پابندی کریں۔ حکم ماننے میں بھی ڈسپلن پیدا ہوتا ہے اور آدمی اپنے محکمے کیلئے کارآمد بنتا ہے۔ بظاہر سختی معلوم ہوتی ہے لیکن سختی میں سے گزرنے ہی سے انسان کا کردار بنتا ہے۔

یہ بات بھی خوشی کی ہے کہ وہاں نماز پابندی کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے۔ جتنا وقت ملے عشاء کے بعد آہستہ آواز میں ذکر کرلیا کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی محنت کو قبول فرمائے اور کامیاب کرے۔ آمین!

اللہ تعالیٰ کو نماز اور ذکر کے ذریعے ہمیشہ یاد رکھو۔ کام خوش دلی اور لگن سے کرو اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے حسبِ توفیق اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتے رہو۔ یہی کامیاب زندگی کے اصول ہیں۔

والسلام

مورخہ: 08.07.2004

السَلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہ !

آپ کا خط ملے کافی دن ہوگئے۔ لیکن گرمی کے موسم کے ساتھ ساتھ جب بجلی بھی بند ہوجاتی ہے تو پھر آدمی لکھائی پڑھائی بھی نہیں کرسکتا۔ اسی طرح خط کے جواب لکھنے میں تاخیر ہوجاتی ہے۔ لیکن آپ مجاہد بیٹوں کا بھی حوصلہ ہے جو سندھ کے ریگستان میں شہروں سے دور بارڈر پر ملک وملت کی خاطر پہرہ دے رہے ہیں۔ یہ عین جہاد ہے۔ ایک حدیث شریف بھی ہے کہ سرحدوں پر ایک رات کا پہرہ دینا مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ اس لئے اسے عام نوکری

ہرگز خیال نہ کریں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں عبادت اور جہاد ہے ۔مجاہدین پاکستان راتوں کو جاگتے ہیں تو ان کے صدقے میں پوری پاکستانی قوم بےفکری کی نیند سوتی ہے ۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کا موقع دیا ہے تو اس راہ میں جو دشواریاں آئیں ،انہیں خوشی خوشی برداشت کرنے کی عادت ڈالیں ۔وہاں آپ کے پاس فرصت کا ٹائم بہت ہوگا اسے غنیمت جانیں اور اسے قرآن کریم کے مطالعہ، ذکر، درود شریف اور قرآن کی صورتیں زبانی یاد کرنے میں لگائیں اس سے دہرا فائدہ ہوگا ۔وقت بھی گزر جائے گا اور بہترین طریقے سے گزرے گا اور اللہ تعالیٰ بھی خوش ہو کر درجے بلند کریں گے ۔ترجمہ والا قرآن شریف آپ کے پاس ہے ۔قبلہ انصاریؒ اور میری کتابیں آپ کے پاس ہیں ۔سارے بھائی پڑھتے رہیں ۔میری دُعائیں آپ کے ساتھ رہیں گی ۔ذکر نفی اثبات اور پاس انفاس یعنی اللہ، اللہ ہر سانس کے ساتھ بتائے ہوئے طریقے کے مطابق روزانہ کرتے رہیں گے تو روحانی تار ہمارے ساتھ ملا رہے گا ۔اور دل گرم اور خوش رہے گا ۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :’’ جو بندہ مجھے ایک دفعہ یاد کرتا ہے، میں اسے دس دفعہ یاد کرتا ہوں‘‘ ۔احسان الٰہی صاحب کیلئے خاص تاکید ہے کہ بٹ صاحب کے ساتھ پکی دوستی لگالیں پکے نمازی بن جائیں اور کبھی نماز نہ چھوڑیں ۔ ہمارا مختصر سا ذکر ہے اگر ممکن ہو تو پوسٹ کے سارے نوجوان مل کر روزانہ بلند آواز میں **لا الٰہ** کا ذکر کیا کریں تو اللہ کی رحمت سے سارے ہی اللہ والے فقیر بن جائیں ۔فقیری ’’ہر دم اللہ کو یاد کرنا‘‘ اور ’’اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنا‘‘ ہی ہے۔ یہ زندگی اسی لئے ملی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کا سفر طے کرتے ہوئے اس کی محبت، رضا اور اس کا قرب حاصل کرلیں ۔اس کا طریقہ ایک ہی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا اتباع کیا جائے اور ایسے درویشوں سے تعلق قائم کیا جائے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے طریقے پر چلنے والے ہوں ۔یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ترقی کا انحصار کثرتِ ذکر اور اخلاق پر ہے ۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ اور محمد صدیق ڈار صاحبؒ کے افکار

(محمد فیصل،ملتان)

یہ اللہ ربّ العزت کا کرم ہے کہ اس نے انسان کو دستورِ حیات اور مقصودِ حیات کے ساتھ اس زمین پر بھیجا۔ خود ہی واضح سمت کا تعین کر دیا اور یہ رہنمائی اپنے رسولوں کے ذریعے سے فرمائی۔ ہر قوم کے لئے ہادی مبعوث فرمائے۔ حضور رحمت اللعالمین ﷺ پر آ کر یہ سلسلہ تمام ہوا۔ اب یہ ذمہ داری امت وسطیٰ کے حصے میں آئی کہ مخلوقِ خدا کو نیکی کی تلقین کرے اور برائی سے روکے۔ جن لوگوں نے اللہ کے احکام کو اپنے نفسوں پر نافذ کر لیا اور سیدھی راہ اختیار کی وہ مقربین کہلائے اور اولیاء اللہ کے مبارک لقب سے نوازے گئے۔

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحبؒ بھی اولیاء اللہ کی صفِ اوّل میں شامل تھے۔ آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کو نئے سرے سے منظم اور مضبوط کیا۔ آپؒ عرفانِ باری تعالیٰ کے ساتھ روحانی قوت کی دولت سے مالا مال تھے۔ اگر آپؒ کی ذات کا عملی جائزہ لیا جائے تو وہ کچھ اس طرح ہوگا۔

رویتِ باری تعالیٰ: اللہ کی ذات کے دیدار کو آپ انسانی زندگی کا مقصود قرار دیتے تھے۔ آپؒ کے مطابق انسان کی تخلیق کا مقصد ہی دیدارِ ذات ہے۔ آپؒ اکثر علامہ اقبالؒ کا شعر "کمال زندگی دیدار ذات است" کو حوالے کے طور پر پڑھا کرتے تھے۔ آپؒ کی تعلیمات کے مطابق جو اس زندگی میں اللہ کا دیدار نہ کر سکا وہ آخرت میں بھی نہیں کر سکے گا۔ آپؒ کے مطابق اللہ کا دیدار ہی وہ بار امانت ہے جو عہد الست میں انسانوں کو سونپا گیا۔ یہ ممکن ہے کہ حضور ﷺ کو ہوا، آپ ﷺ کے صحابہ کبار کو ہوا اور تمام کامل اولیاء اللہ اس سے مشرف ہوئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ موسیٰ کو اللہ کا دیدار نہیں ہوا اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کو تو اللہ کا دیدار ہوا جن کی ہم اُمت ہیں۔ ہمارے لئے حضور ﷺ کے طفیل یہ راستہ سیدھا کر دیا گیا۔

صاحب نظر بزرگ: آپؒ کے افکار کے مطابق دیدار کے بلند مقصد کے حصول کے لئے کسی صاحبِ نظر بزرگ کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر عرفان کا راستہ طے نہیں کیا جاسکتا۔ جب دنیا کے کام سیکھنے کے لئے استاد کی ضرورت ہے تو پھر اس عظیم مقصد کے لئے بھی کامل رہنما کی ضرورت ہے۔ جو خود یہ راستہ طے کر چکا ہو اور اس راستے کے پیچ وخم سے بخوبی واقف ہو۔ اس کو مرشد کہتے ہیں۔ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات کے مطابق مرشد کی حیثیت ایک اُستاد کی سی ہے جو اللہ۔ اللہ کرنا سکھاتا ہے۔ آپؒ اس ضمن میں فرمایا کرتے تھے کہ

می نہ روئید تخم دل از آب و گل
بے نگاہ از خداوندانِ دل

یعنی میں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کی محبت و معرفت کا بیج جو انسانوں کے دلوں میں ہے وہ پانی و مٹی سے پھوٹ پڑے بلکہ وہ اللہ والوں کی نگاہ سے حیات افروز ہوتا ہے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ رویت باری تعالیٰ کی تین شرائط ہیں۔ شاگرد عامل ہو، استاد کامل ہو اور اللہ کا فضل شامل ہو تو بات بن جاتی ہے۔

توحید: ہمارے سلسلہ کی بنیاد ہی توحید پر ہے۔ باباجی ڈار صاحبؒ توحید پر بہت زور دیتے تھے اکثر یہ شعر سناتے کہ:

صد کتاب صد ورق درنار کن
روئے دل را جانب دلدار کن

یعنی اپنے دل کا رُخ اپنے دلدار یعنی اللہ کی طرف کرلو اور یہی سب سے بڑا نسخہ ہے۔ میں نے ایک مسئلہ کے لئے باباجی کو دعا کے لئے کہا تو فرمانے لگے اللہ سے اپنے تار سیدھے کرلو اور جو چاہے لے لیا کرو۔ ہم دوائی نہیں نسخہ ہی دے دیتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ تمام امور اللہ کے حکم سے ہی سرانجام ہوتے ہیں۔

اخلاق: آپؒ نہایت ہی عمدہ اخلاق کے مالک تھے۔جن بھائیوں نے آپ کی صحبت میں وقت گزارا وہ اس بات کو جانتے ہیں۔اخلاق کو سنوارے بغیر روحانی ترقی خاص طور پر معرفت کا سفر طے کرنا ناممکن ہے۔بڑے ملائم طریقے سے وعظ ونصیحت فرماتے تھے۔وہ سننے والے کے دل میں پیوست ہو جاتی۔گفتگو کا انداز ایسا کہ ہر کوئی یہی سمجھتا تھا کہ باباجی میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔کسی کو تم یا تو کہہ کر نہیں بلاتے تھے۔طبیعت میں بے پناہ سادگی تھی۔ بھائیوں نے کہا کہ گاڑی لے دیتے ہیں کہنے لگے کہ نہیں کیا ضرورت ہے۔مرکز پر AC بھی نہیں لگواتے تھے۔ایک روز میں نے پوچھا کہ باباجی بہت گرمی ہے رات کو کیسے سوتے ہیں تو کہنے لگے "خیالِ یار کی چادر اوڑھ کر سو جاتے ہیں"۔بعد میں آپ کے بیٹے خالد محمود ڈار صاحب نے AC لگوا کر دیا۔فرماتے تھے گالیاں سن کر دعائیں دو یہی فقیری کا سلیبس ہے چاہے بیس دن میں کر لو یا بیس سال میں۔کیونکہ آپ ﷺ نے یہ کیا ہے۔یہ نہیں کیا کہ کسی نے ، بابے کو دودھ نہ دیا تو بابے نے اس کی بھینس مار دی۔

محبت: حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ محبت میرے دین کی اساس ہے۔آپ کو اللہ سے بے پناہ محبت تھی۔جب زبان پر گفتگو کے دوران اللہ کا نام آتا تو چہرہ تمتمانے لگتا:

کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد سے نخوت کے سوا
شغل بے کار ہیں سب تیری محبت کے سوا

(حسرت موہانی)

سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

حضور ﷺ سے گہری محبت کا رشتہ تھا۔بڑے ادب اور پیار سے آپ ﷺ کا نام مبارک زبان پر لاتے۔فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی حضور ﷺ کا نام مبارک آئے تو بلند آواز

سے درود شریف پڑھا کرو تا کہ آپ کے ہم نشین بھی سن لیں اور وہ بھی اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔ راقم الحروف نے ایک دفعہ پوچھا کہ آپ کو یہ بلند مرتبہ کیسے ملا؟ فرمانے لگے اور تو کوئی خاص بات نہیں شاید محبت کی وجہ سے۔ پھر ایک صحابی کا واقعہ سنایا کہ آپ ﷺ اس کے گھر تشریف لے گئے۔ گھر کے صحن میں جہاں وہ صحابی نماز ادا کرتے تھے نشان پڑے ہوئے تھے آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اسی اثناء میں جبرائیل آئے اور کہا کہ اللہ کو آپ ﷺ کے صحابی کی ایک نماز قبول نہیں۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک اداس ہو گیا۔ اسی اثناء میں وہ صحابی گھر تشریف لے آئے اور حضور ﷺ کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر وجہ پوچھی جو آپ ﷺ نے بیان فرمائی صحابی نے کہا یا رسول اللہ! میں تو آپ ﷺ کی محبت میں یہ نماز پڑھتا ہوں کہ میرے محبوب کا پسندیدہ فعل ہے۔ جبرائیل دوبارہ آئے تو کہنے لگے کہ اللہ کو آپ کے اس صحابی کی تمام نمازیں مقبول ہیں آپؒ کو اپنے شیخ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سے بہت محبت تھی گفتگو کے دوران اکثر ان کا حوالہ دیا کرتے۔ اپنے ماں باپ کا ذکر بہت کم کیا مگر مرشد کا ذکر ہر محفل میں ہوتا۔ اسی طرح مریدوں کو سگی اولاد پر فوقیت دیتے۔ کہتے کہ پہلے آپ کے لئے دُعا کرتے ہیں پھر اپنے سگے بیٹوں کے لئے مختصر اُسراپا پیار ہی پیار تھے۔

قرآن فہمی اور کثرت ذکر: آپؒ کی شخصیت کا ایک امتیازی وصف قرآن فہمی تھا۔ قرآن کریم کو ترجمے کے ساتھ حرف با حرف سمجھ کر پڑھنا آپؒ کا معمول تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ جب درود شریف باقاعدگی سے پڑھا جائے تو حضور ﷺ سے فیض ملتا ہے جس سے قرآن کی Understanding بڑھتی ہے اور قرآن کے صحیح مفہوم سمجھ میں آتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے واضح کیا کہ انسان زمین پر خدا کا خلیفہ نہیں بلکہ زمین کا خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ مزید واضح کیا کہ انسان کو مٹی سے نہیں بلکہ مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا گیا۔ آپ کثرت ذکر پر بے حد زور دیتے تھے قرآنی آیات واحادیث نبوی ﷺ صوفیاء کے اشعار اس زمرے میں حوالے کے طور پر

پیش کرتے تھے۔کثرت ذکر کا کیا مفہوم ہے یعنی کہ ہر وقت اللہ یاد رہے۔سفر میں حضر میں، دن میں رات میں، خوشی میں غمی میں، خوشحالی میں بد حالی میں، مشکلات میں آسانی میں اور صحت میں یا بیماری میں اللہ کی یاد دل سے نہ جائے۔چند اشعار جو ذکر کے بارے میں آپ بتاتے تھے۔

کبیرا فقیری سیکھنی ہے تو پنہارن سے سیکھ
بات کرے سکھیوں سے مگر دھیان گاگر کے بیچ

اس جگت میں ایسے رہیو جل پنکھ پھرت جو ساغر میں
یا دخدا میں یوں رہیو جیسے ناگر کا چت گاگر میں

طریقش رستن از بند جہات است

مردبن غافل نہ ہو ذکر خدا سے پیار رکھ
ہاتھ پاؤں کام میں اور دل کو سوئے یار رکھ

لا إله گوئی بگو از روئے جاں
تا ز اندامِ تو آید بوئے جاں

مختصراً آپؒ کی تعلیمات اور افکار اللہ کے قرب و لقاء اور دیدار اور محبت رسول اللہ ﷺ پر مشتمل ہیں اور ان کے حصول کا ذریعہ اخلاق حسنہ، محبت، کثرت ذکر اور قرآن فہمی ہیں۔ اللہ ہمارے پیارے باباجانؒ کے درجات مزید بلند فرمائے اور ہمیں ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

مَیں کے بجائے ''ہم'' مطلوب ہے

(مولانا محمد اَسعَدقاسمی)

عربی زبان کالفظ ''**أنا**'' (جو ''**میں**'' کے معنی میں آتا ہے) بہت ہی معروف و کثیر الاستعمال لفظ ہے جو واحد متکلم کے لئے بولا جاتا ہے، اور اسی سے انانیت کی اصطلاح بھی ماخوذ مشتق ہے جو خود پسندی اور ذاتی مصلحت اور منفعت پرستی اور مادہ پرستی وغیرہ معانی کے لئے استعمال ہوتی ہے، اس کے بالمقابل دوسرا لفظ ''**نحن**'' جو ''ہم'' کے معنی میں آتا ہے۔ جو جمع متکلم کیلئے ہے، اور انانیت کے مقابلہ میں ''**نحنیت**'' کی اصطلاح اس سے اخذ کی جاسکتی ہے جس کا اطلاق اجتماعیت، تعاونِ ملی قومی منفعت کی ترجیح وغیرہ معانی پر ہو سکے۔

پسماندہ، اخلاق سے منحرف اور مائل بہ زوال اقوام پر انانیت کا احساس غالب رہتا ہے جب کہ ترقی یافتہ، با اخلاق، زندہ و سرگرم اقوام پر اجتماعی و قومی شعور اور قومی ترقی و بلندی کی فکر کا رجحان غالب رہتا ہے، جس طرح ہر انسان انانیت اور اجتماعیت دونوں طرح کے احساسات کا حامل رہتا ہے لیکن کچھ افراد پر انانیت کا احساس اس طرح غالب رہتا ہے اور دیگر کچھ افراد پر اجتماعی و قومی احساس کا غلبہ رہتا ہے اور وہ ہمیشہ قومی مفاد، عوامی فلاح و اصلاح ہی کیلئے سرگرم عمل رہتے ہیں، جب کہ کچھ افراد کا معاملہ درمیانی ہوتا ہے، ان کی عملی سرگرمیوں میں انانیت اور اجتماعیت دونوں عناصر یکساں طور پر ملتے ہیں، یہی حال اقوام و اُمم کا بھی ہوتا ہے، کسی قوم پر انانیت اور کسی پر اجتماعیت غالب رہتی ہے جبکہ کچھ قومیں درمیانی معاملہ رکھتی ہیں۔

کچھ جگہوں پر ذاتی و انفرادی ملکیت کا خوب احترام و لحاظ ملتا ہے مگر قومی و عوامی ملکیت کا برائے نام بھی احترام نہیں ملتا، سڑک اور روڈ پوری قوم کی ملکیت ہے، مگر بہت مقامات پر اسے ذاتی چیز سمجھ کر اس پر گندگیوں اور غلاظتوں کا انبار پھینک دیا جاتا ہے، یہ انانیت و خود پسندی کے غلبہ اور اجتماعی احساس کے فقدان کی ایک معمولی مثال ہے، جب کہ دوسرے مقامات پر ایسا نہیں ہوتا

، بلکہ سڑکوں کو قومی اثاثہ سمجھ کر اس کی صفائی کا اہتمام ہوتا ہے اور اسے گندگی سے دور رکھنے کی فکر ہوتی ہے۔

شیخ محمد عبدہ کا یہ واقعہ منقول ہے کہ ایک بار وہ سفر پر تھے، ان کے رفیق سفر نے راستہ میں پودے سے گلاب کا پھول توڑلیا، یہ منظر دیکھ کر شیخ رونے لگے، سبب دریافت کیا گیا تو بتایا کہ میں نے ایک انگریز عورت کو دیکھا کہ دورانِ سفر اس کا چھوٹا بچہ راستہ سے گلاب توڑنے چلا تو اس نے بچہ کو روکا اور سختی سے ڈانٹا اور یہ کہا کہ یہ پھول ہر مسافر کی ملکیت ہے، یہ تنہا تمہاری ملکیت نہیں ہے اسے باقی رہنا چاہیے تاکہ دیگر مسافر اس کی خوشبو اور رونق سے لطف اندوز ہوسکیں، شیخ نے کہا کہ افسوس اور رونا اس کا ہے کہ ہم پر انانیت کا غلبہ ہے اور ہم اجتماعیت اور مفادِ عامہ کے احساس سے ناآشنا ہیں۔

انانیت پسندوں کی طرف سے نیک کاموں میں، غریب ومحتاج کے تعاون میں بھی انانیت وخود پسندی کا مظاہرہ ہوتا ہے، ان کی جیب سے پیسہ جب ہی نکلتا ہے جب فقیر بالکل جم اور چمٹ جائے اور واپسی پر کسی صورت آمادہ ہی نہ ہو، اور پھر جب پیسہ نکل بھی جاتا ہے تو وہ اپنی انا کی تسکین اور ریاء کاری کے مقصد سے سب کے سامنے برسرِ عام فقیر کے ہاتھ میں تکبر کے انداز میں دیتے ہیں، ان کی یہ ساری حرکتیں ان کی انانیت کا نتیجہ ہوتی ہیں، جبکہ اجتماعیت کا احساس رکھنے والے افراد بڑی تواضع وہمدردی کے ساتھ نوعِ انسانی کے ہر واقعی ضرورت مند کیلئے دل گیر ہوتے ہیں اور حسب المقدور تعاون کرتے کراتے ہیں اور مستقل کوشاں رہتے ہیں اور سب کچھ اپنا حق لازم سمجھ کر انجام دیتے ہیں، دوسروں کے دکھ درد میں شریک رہتے ہیں۔

انانیت پسند افراد بے پناہ ہیں اور اجتماعی شعور کے حاملین خال خال ہیں، بگاڑ کا عام ہونا اور اصلاح وفلاح کا کم ہونا اس کا ثبوت ہے، ظالموں کا معصوموں و بے قصوروں کا نشانہ بنانا اسی وجہ سے ہے، موجودہ عالمی منظر نامے میں امریکہ افغانستان کو تباہ کرنے کے بعد عراق پر حملہ آور ہونا اور پٹرول کی دولت پر مکمل تسلط کے ارادہ سے جنگ چھیڑنا اسی خود پسندی کی فکر کا

واضح اور تازہ مظہر ہے۔عرب وغیر عرب ممالک کی امریکہ کی خاموش تائیدوحمایت اور عراق کی مدد وتعاون سے دریغ اور اس طرح حق کی مدد نہ کرکے باطل کی خاموش تائیداور اس کے سامنے سپراندازی کا بھی اصل سبب اپنے اقتدار و ذاتی مفادات کا تحفظ ہے،جس کو خود پسندی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔فلسطین کے مظلوموں کے حق میں عملی اقدامات پر اتحادی گروہ کی تشکیل کے ذریعہ اسرائیلی جارحیت کے سدّباب کی استطاعت کے باوجود عرب حکمرانوں کا پس وپیش اور اپنے اقتدار میں مست وغرق رہنا بھی اپنے مفادات کی حفاظت اور قربانیوں ومشکلات کا تحمل کرنے کے جذبہ سے محرومی کی بنیاد پر ہے جو ان کی انانیت کی کھلی دلیل ہے۔

یوں تو ہر فرد بشر کے مزاج میں اجتماعی احساس انفرادی شعور پر غالب رہنا چاہیے کہ یہی انسانیت کی حقیقی روح ہے،لیکن اہل اسلام جو ابدی وسرمدی دین کے حامل اور علمبردار ہیں، ان کا یہ دینی ومذہبی،اخلاقی وعقلی فرض ہے کہ وہ سب سے آگے بڑھ کر اجتماعی احساس کو بیدار و غالب کریں۔ان کے دل کی ہر دھڑکن اور دماغ کی ہر فکر اور جسم واعضاء کی ہر نقل وحرکت اور قول وعمل،بلکہ گفتار ورفتار سب اسی جذبہ سے سرشار ہو۔

ان کی روشن تاریخ کا ہر صفحہ اس جذبہ سے سرشار افراد کی عملی سرگرمیوں سے بھرا ہوا ہے، پوری اسلامی تاریخ اجتماعی احساسات کے تحت اہل اسلام کی پیش کردہ قربانیوں سے منور ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے حد سے زیادہ سادہ زندگی صرف اس لئے گزاری کہ آرام وراحت پہلے ان کی سب رعایا کو میسر آجائے،واقعہ مشہور ہے ایک مرتبہ کھانا کھارہے تھے،اسی دوران عتبہ بن ابی فرقد آئے،حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے کہنے پر عتبہ کھانے میں شریک ہوئے،کھانا اتنا موٹا تھا کہ عتبہ سے نگلا نہیں جارہا تھا،انہوں نے عرض کیا:اے امیر المومنین!بہتر ہوتا کہ آپ چھنا ہوا آٹا استعمال کرتے،اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا سب مسلمانوں کو چھنا ہوا آٹا دستیاب ہے،عتبہ نے کہا نہیں!سب کو تو میسر نہیں ہے،حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمام لذتیں دنیا ہی میں حاصل کرلوں۔

یہ واقعہ ان کے ایثار، خوفِ آخرت، اجتماعیت کے احساس وشعور کا اور ذاتی مصلحت و منفعت کے حصول سے یکسر دوری اور بے زاری کا ثبوت ہے، حضرت عثمانؓ نے قحط کے عالم میں دسیوں اونٹوں پر لدا ہوا غلّہ جو بہت نفع کے ساتھ فروخت ہو سکتا تھا، مفت لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا، تمام صحابہ کرام نے ہر موقعہ پر دوسروں سے تعاون کیا، دوسروں کے نفع کو مقدم رکھا، دوسروں کے بھلے کیلئے اپنا ذاتی نقصان گوارا کیا، اسی وصف امتیازی کا ذکر قرآن نے کیا ہے کہ:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹)

ترجمہ: "وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ خود اپنی جگہ کتنے ہی محتاج کیوں نہ ہوں۔"

یہ سب ان کے اجتماعی شعور کی دلیل ہے، صحابہ کرامؓ اور اسلاف اُمت کے ایثار و اجتماعیت کے شعور کے بے شمار نمونے تاریخ میں محفوظ اور لائق تقلید ہیں۔

اہل اسلام اور موجودہ حالات میں یہ حقیقت ذہن نشین کرنی ہوگی کہ جب تک انانیت کی جگہ اجتماعی شعور پیدا نہیں ہوگا، جب تک ایثار و قربانی کا جوہر نہیں پیدا ہوگا، اور جب تک ذاتی مادّی اور حقیر مقاصد و مصالح سے دستبردار ہو کر قومی و ملی مصالح کو اوّلین اہمیت نہیں دی جائے گی یوں ہی تباہی آتی رہے گی، اغیار ظلم کرتے رہیں گے، پسپائی اور دباؤ میں رہنا پڑے گا، یہ واقعہ ہے کہ حق کے مقدر میں سربلندی اور غلبہ ہے مگر یہ بھی ضروری ہے کہ حق پر ہونے کا دعویٰ کرنے والے مطلوبہ اوصاف کے حامل ہوں، اس وقت کامیابی کیلئے کلیدی اہمیت اس کی ہے کہ انانیت کی جگہ اجتماعیت وایثار پیدا ہو، اور "میں" کے بجائے "ھم" کی فکر عام ہو۔

اقبالؒ اور تصوّف

(خلیفہ عبدالحکیم)

کم وبیش ہزار برس سے وہ نظریۂ حیات اور اندازِ عمل جسے تصوف کہتے ہیں، مسلمانوں کی روحانی، اخلاقی اور عملی زندگی کا ایک جزو لاینفک بن گیا ہے۔طلوعِ اسلام میں نہ کہیں تصوف کا لفظ ملتا ہے اور نہ صوفی کی اصطلاح۔محققین نے اس پر بہت کچھ تحقیق کی ہے کہ یہ اصطلاحیں کب رائج ہوئیں اور ان کا مفہوم مختلف زمانوں میں کس کس طرح بدلتا رہا ہے۔اس جگہ ان مباحث کا احاطہ کرنا دشوار ہے۔چند الفاظ میں اس کو یوں بیان کرسکتے ہیں کہ تصوّف کا نظریہ یہ ہے کہ دین کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ہر عمل کی ایک ظاہری صورت ہے اور ایک باطنی کیفیت۔ عبادات کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ کتاب الٰہی کا بھی ایک پہلو ظاہر ہے اور دوسرا پہلو وہ ہے جسے حکمت یا معرفت کہہ سکتے ہیں۔شریعت میں بھی ایک ظاہری پابندی ہے اور ایک اس کی روح ہے۔یہی حال عام اخلاق کا ہے اور ان آداب ورسوم وقوانین کا جنہیں حقوق العباد کہتے ہیں۔عبادت میں بھی ایک مرتبہ عبودیت کا ہے، لیکن عبودیت خالص اور منزہ ہوتی ہوئی عشق کے درجے تک پہنچ جاتی ہے اور عشق اپنے کمال میں عاشق ومعشوق کی دوئی کو مٹا دیتا ہے۔خدا معبود ہونے کے بجائے محبوب ہوجاتا ہے اور محبّ محبوب کی صفات سے ہم آہنگ اور یک رنگ ہوکر **وجہ اللّٰہ** کا ایک رُخ بن جاتا ہے۔شریعت پر اس انداز سے عمل پیرا ہونا کہ بندے کو معرفت اور عشق تک پہنچادے اور ہر ظاہر کو باطن سے وابستہ کرے، اس کو طریقت کہتے ہیں۔ اخلاق کے بارے میں تصوف یہ ہے کہ انسان نیکی اس لئے نہ کرے کہ اس سے کوئی مادّی یا خارجی یا جسمانی جزا ملتی ہے یا ملے گی اور بدی سے اس لئے نہ بچے کہ اس کی وجہ سے ابدالآباد تک دوزخ کی آگ میں جلنا پڑے گا، بلکہ نیکی کو آپ ہی اپنا اجر اور بدی کو آپ ہی اپنی سزا سمجھے۔ اسلئے کہ نیکی سے تزکیۂ نفس اور محبت کی مشق اور ترقی ہوتی ہے اور تزکیۂ نفس سے انسان کی ذات

صفات الٰہیہ سے بہرہ اندوز ہوتی ہے۔بدی سے روح کے اندر تاریکی اور پستی پیدا ہوتی ہے، تزکیۂ نفس سے جو علو ٔ ذات اور بلندیٔ درجات حاصل ہوتی ہے وہی اجرِ حقیقی اور جنت الماویٰ ہے اور روح کی تاریکی اور پستی اور معرفت سے دوری اصل دوزخ ہے۔تصوف کی بے شمار تعریفیں کی گئی ہیں،لیکن ان سب کا لب لباب یہی ہے۔صوفی معرفت اور محبت سے لبریز ہوتا ہے،اس کا علم اور اس کا عمل،اس کی گویائی اور اس کا سکوت محبت وعرفان کا آئینہ دار رہتا ہے۔

جس طرح نبی کریم ﷺ کی تلقین وتعلیم اور نزول قرآن سے قبل بھی دنیا میں اسلام موجود تھا،اسی طرح وہ چیز بھی جابجا مختلف رنگوں میں ادیان وملل میں موجود تھی،جسے تصوف کہتے ہیں۔لیکن جس طرح توحید کے ساتھ رفتہ رفتہ مشرکانہ عناصر جمع ہو گئے تھے اور اسلام کو پھر نئے سرے سے توحید کو منزہ اور پاکیزہ بنانا پڑا اسی طرح قرآن کی تعلیم نے ان عناصر کا بھی جائزہ لیا جو تصوف کے رنگ میں بدھ مت، ویدانت ،عیسائیت اور فلاطینوس کی جدید فلاطونیت میں پائے جاتے تھے۔بدھ مت نے زندگی سے گریز اور ہر قسم کی تمنا کے استحصال کو مقصد حیات قرار دیا اور یہ اصول قائم کر دیا کہ نفیٔ حیات مقصد حیات ہے۔وہ لا الٰہ سے الا اللہ کی طرف قدم نہ اُٹھا سکی اور اس کی صورت ایسی بن گئی کہ زندگی کے ساتھ خدا کی بھی نفی ہو گئی۔ویدانت کا نظریۂ تصوف بھی بقاء کی بجائے فناء کی تعلیم بن گیا۔عیسائیت نے دین کو رہبانیت کا مترادف بنا دیا۔مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کے ظاہر پرست مدعیان دین کو ظاہر سے باطن کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن ان کے بعد عیسائیت نے یہ غلط راستہ اختیار کر لیا کہ دنیا کی کوئی چیز قابل توجہ نہیں اور یہ دنیا چند روز میں ختم ہونے والی ہے اس لئے اس کے کسی پہلو کی تعمیر وتکمیل ایک عبث فعل ہے۔ ظاہر اور باطن ،جسم اور روح میں ایک تضاد پیدا ہو گیا اور یہ باطل عقیدہ راسخ ہو گیا کہ دنیا کی تحقیر و تذلیل اور نفس کشی سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

مختلف قوموں میں تصوف نے علمی اور عملی حیثیتوں میں یہی رنگ اختیار کر لیا تھا۔اسلام درحقیقت اس تمام حیات گریز اور فناء پسند تصور کے خلاف ایک زبردست احتجاج تھا۔

اسلامی توحید نے خالق کامخلوق سے اور علم کا عمل سے اور دنیا کا آخرت سے رشتہ جوڑا، تمام کائنات اور مخلوقات کو اللہ کی مشیت اور ربوبیت کا مظہر قرار دیا۔ انسان کو خلیفہ اللہ علی ارض اور مسخر کائنات بتایا۔ زندگی کی تمام نعمتیں جائز حدود کے اندر اس کیلئے حلال کردیں اور عمل صالح سے ان میں اضافہ کرنے اور ان کو ترقی دینے کی تلقین کی۔ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد متعین کردیئے۔ خدمت خلق کو مقصد شریعت، اصل طریقت اور حصول معرفت کا ذریعہ قرار دیا۔ مظاہر عالم کے علم کو دین کا اہم جزو بنایا اور انسانوں کیلئے ہمہ سمتی ترقی کے راستے کھول دیئے۔

اقبالؒ نے جب مسلمانوں کی زندگی، اسلام اور تصوف پر غور کیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جس طرح دیگر اقوام وملل میں دین اور تصوف کے ساتھ کچھ مشرکانہ عناصر اور کچھ زندگی سے گریز کی تلقین داخل ہوگئی، وہی کچھ مسلمانوں کی زندگی اور ان کے نظریۂ حیات کا بھی حشر ہوا ہے۔

اسلامی افکار نے بعض صوفیوں کے ذہنوں سے یہ خیال نکال دیا کہ دنیا خدا کی رحمت اور ربوبیت کا مظہر ہے اور زندگی کا مقصد اس ربوبیت اور رحمت سے عملاً بہرہ اندوز ہونا ہے اور ہر جائز کی محبت، محبت الٰہی ہی کا ایک کرشمہ ہے۔

اقبالؒ نے اسلام اور نوع انسان کی یہ بڑی خدمت کی ہے کہ حقیقی اسلامی روح پرور تصوف میں سے غیر اسلامی عناصر کو چن چن کر الگ کردیا۔ اور ہر قسم کے تصوف کا مخالف ہوتا تو عارف رومی کا مرید کیسے بنتا؟ صوفیائے کرام میں سے اس کو رومی سب سے زیادہ حقیقی اسلام کے قریب معلوم ہوا ،اس لئے کہ رومی جبری نہیں بلکہ اس کا قائل تھا کہ انسان ایک صاحب اختیار ہستی ہے اور اس کو نفس اور خودی اس لئے دی گئی ہے کہ اس کو قوی تر اور وسیع تر کرتا ہوا علم اور عمل میں ترقی کرتا ہوا خدا میں فناء نہ ہوجائے بلکہ الوہیت کو اپنا لے۔ خدا کو حاضر و ناظر جان کر اور اس کے ذریعے سے زندگی کو ابھارنا اور سنوارنا مقصد حیات ہے۔ ترک دنیا، خدا کی طرف جانے کا راستہ نہیں۔

اقبالؒ رومیؒ کی طرح اثبات خودی کا معلم ہے۔ اس لئے وہ ہر ایسے تصوف سے نالاں ہے جو ترک اور فناء پر زور دیتا ہے اور اخلاقی و حیات آفریں پہلو سے گریز کرتا ہے۔ وہ خودی کے

دوش بدوش بے خودی کے اسرار اور اسکی صداقت سے نا واقف نہیں، لیکن اقبالؒ کے ہاں بے خودی بیہوشی اور ترک تمنا کا نام نہیں۔اس کے ہاں بے خودی وہ کیفیت ہے جو خودی کے ممکنات کو وجود پذیر کرتی ہے اور اس کو کمزوری سے قوت کی طرف اور تنگی سے وسعت کی طرف لے جاتی ہے۔قرآن کا آدم مسخر کائنات ہے اور زندگی کے میدان کارزار کا ایک مجاہد اور سپاہی ہے۔اصل جہاد خانقاہوں کے زاویوں میں بیٹھ کر محض ذکر و فکر سے نفس کشی کی مشق نہیں۔جہاد اکبر اسی کا نام ہے جو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے کیا۔غلط تصوف کے ساتھ قناعت اور توکل کا بھی ایک غلط مفہوم پیدا ہو گیا ہے اس تصور کے خلاف بھی اقبالؒ نے جہاد کیا:

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

اپنے دامن کو حرص و ہوا سے نہیں، بلکہ بلندیٔ مقاصد سے اتنا وسیع کرو کہ تمام کائنات اس میں سماء جائے۔یہ وسعت تنہائی میں نفس کشی کی مشق سے نہیں بلکہ علم و عمل کی لامتناہی جد و جہد سے حاصل ہوتی ہے۔

صحیح تصوف جو اسلام میں کسی ایک گہری اور باطنی شکل کا نام ہے، اقبالؒ کے افکار و تاثرات میں جا بجا نمایاں ہے۔مادّی اور منطقی عقل اور عشق کا تقابل تصوف کی اساس ہے۔علامہ اقبالؒ تصوف کو غیر اسلامی عناصر سے پاک کر کے اسلام کی روح پرور اور ارتقاء پسند تعلیم کو اُجاگر کرنا چاہتا ہے۔

خلافت، ملوکیت اور آفاقیت

(کے. ایم اعظم)

اسلام کا انقلاب دنیا کے عظیم ترین انقلابوں میں سے تھا، مگر اس کا طریق کار روائتی انقلابوں جیسا نہ تھا، کیونکہ اس نے قبل از انقلاب کے حکمران طبقہ کو تہ تیغ کرنے کی بجائے اسلام میں شامل کر لیا تھا اور عام معافی کا اعلان کر دیا تھا۔ اکابر صحابہ کرامؓ نے فتح مکہ پر فرمایا تھا کہ آج بدلہ لینے کا دن ہے، مگر رسول عالی مرتبت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، آج عفو و درگزر کرنے کا دن ہے بے شک رسول اکرم ﷺ حق بجانب ہوتے اگر وہ سب دشمنان اسلام کی گردنیں اڑانے کا حکم صادر فرما دیتے اور ان کی تمام دولت بحق اسلام ضبط فرما لیتے۔ مگر آنجناب ﷺ نے ایسا نہ کیا بلکہ مکہ کے مشہور زمانہ تاجروں کا تجارتی اور انتظامی تجربہ، کثیر سرمایہ اور فن سپہ گری اسلام کی خدمت میں mobolize کر لیا۔ بہر حال نتیجتاً اسلامی معاشرہ میں اوائل سے ہی دو طبقات موجود رہے، جو سیدنا عمرؓ کی شہادت کے بعد فتنۃ الکبری میں منتج ہوئے۔ ایک طبقہ مکہ کے زیادہ تر اُموی امراء کا تھا، جو اسلام کے آنے سے پہلے بھی مالدار اور طاقتور رہتے اور جنہوں نے فتح مکہ پر اسلام قبول کیا تھا۔ دوسرا طبقہ ان افراد پر مشتمل تھا، جنہوں نے شروع میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور جن کی دولت اور عزت ساری کی ساری اسلام ہی کی وجہ سے تھی۔ اگر ہم اس طبقاتی تفریق کو نظر انداز کر دیں گے تو ہم اسلامی تاریخ کے اہم واقعات کو پوری طرح سے سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔ مثلاً سیدنا عثمانؓ کے خلاف بغاوت، جنگ جمل، جنگ صفین، سانحہ کربلا، اہل بیت کی عقوبت اور اکابر صحابہ کرام سے بدسلوکیاں۔

ہم لوگوں کی ایک خامی یہ ہے کہ اخلاقی طور پر پست ہونے کے باوجود ہم عینیت پسندی میں بہت آگے بڑھے رہتے ہیں۔ اس کی ایک تاریخی وجہ شاید یہ ہے کہ ہندو مت کے اشراف، اوتار اور بھگوان ہوتے ہیں جبکہ اسلام میں فقط ایک نبی علیہ السلام ہی معصوم ہوتا ہے یا

پھر فقہ جعفریہ کے مطابق چند گنے چنے امام، جبکہ باقی سب افراد مائل بہ عصیاں انسان ہوتے ہیں ۔یہ اسی رویہ کی وجہ سے ہے کہ ہمیں اسلامی تاریخ کے نشیب وفراز سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ جہاں تک اسلام کے مثالی دور کا تعلق ہے ،تو اس دور کا تو کوئی مقابلہ نہیں ہوسکتا جس میں حضور اکرم ﷺ بہ نفس نفیس موجود تھے ۔حضور اکرم ﷺ کا مدنی دور دس سال کا ہے اس کے بعد شیخین کا بارہ سالہ دور ہے، جس میں سیدنا عمرؓ کی شخصیت اور دبدبہ نے مسلمانوں کو راہ راست پر رکھا ۔ایک بار جب کچھ افراد نے حضرت عثمانؓ کو یاد دلایا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں تو ایسا نہیں ہوتا تھا تو انہوں نے فرمایا ہم میں سے کون ہے جو عمر کا مقابلہ کر سکے ۔اس طرح رسول اکرم ﷺ اور شیخین کا 22 سالہ دور ہے یا پھر خلافت راشدہ کے 30 سال لے لیں تو کل 40 سال بنتے ہیں۔اس طرح مسلمانوں کی 1420 سالہ تاریخ میں صرف 22 سال کا دور یا پھر 40 سال کا دور ہے جسے مثالی کہا جا سکتا ہے ۔بہرحال اسلام کا مثالی دور تو دیر پا ثابت نہ ہوا ،مگر دنیاوی جاہ و جلال کے میدان میں اموی اور عباسی خلافتوں نے مسلمانوں کے اقتدار کا ستارہ عروج پر پہنچا دیا۔ اموی اور عباسی خلافتوں سے بڑی سلطنت دنیا نے کبھی نہ دیکھی تھی اور مسلمانوں کی ہفت اقلیم، خلافت عثمانیہ کی شکل میں اس صدی کے شروع تک قائم و دائم رہی ۔یہ اسلام کی ملوکیت ہی کا ثمر ہے کہ آج ہم ہندی الاصل لوگ مسلمان ہیں ورنہ شاید مثالی اسلام جزیرہ نما عرب تک ہی محدود ہو کے رہ جاتا ۔اسلام کا خوبصورت خواب سیدنا عمرؓ کی شہادت اور ملوکیت کے غلبہ کے نظر ہو کر رہ گیا اسلام کی عالمگیر اخوت انسانی اور احترام آدمیت کا خواب آج بھی اپنی تعبیر کی تلاش میں سرگرداں ہے ۔بقول علامہ اقبالؒ ”اسلام تکمیل نہیں بلکہ ایک تمنا اور آرزو ہے“ ۔بے شک اسلام بطور ایک دین کے مکمل و کامل ہے مگر اس کا مشن ابھی پورا ہونا باقی ہے ۔ویسے بھی نبی آخر الزماں ﷺ کا مشن تو قیامت تک جاری و ساری رہے گا ہی ۔اب دیکھنا یہ باقی ہے کہ دور حاضر کے مسلمان کب اور کیسے اس خواب کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔

اسلام نے ایک انقلاب آفرین سبق جو انسانیت کو دیا ہے ،وہ ہے کہ اصل معجزہ معصومیت میں

یا پیدائشی ولی ہونے میں نہیں ہوتا۔اصل معجزہ یہ ہوتا ہے کہ کیسے نبی کی تربیت اور نظر کرم عہد جاہلیہ کے ایک اکھڑ سردار کو شاہکار نبوت بنا دیتی ہے اور کیسے ایک ڈاکو کو ولی اللہ۔آج کی جمہوریت، جس کا اصل کام لوگوں کے دل موہ لینا ہونا چاہیے تھا، ایسا کرنے نہیں پائی اور ہمارا نظام تعلیم وتربیت وہ افراد پیدا نہیں کر سکا جن کی آرزو اور تمنا ہم میں سے ہر کوئی اپنے دل میں لیے ہوئے ہے۔

ہمارا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے عینی مقاصد اور زمینی حقائق میں خلیج بہت ہی بڑی ہے۔سمجھنے کی بات یہ کہ نظام خلافت تو اس دنیا میں ایک بار ضرور قائم ہو کر رہے گا مگر یہ وہ لوگ قائم کریں گے، جنہیں رسول عالی مرتبت ﷺ نے اپنا بھائی کہا ہے۔ہم اس کو قائم کرنے کے اہل نہیں ہیں۔زمینی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں تو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اپنے دورملوکیت کی اچھی اچھی باتیں مثلاً منصفانہ حکومت (Good Governance) کو ہی اپنا لیں۔

اس سلسلہ میں ہمیں ہندوستان میں مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ دورِ حکومت پر خصوصی غور وخوض کرنا چاہیے۔ایک طرف تو بقول علامہ اقبالؒ: ''شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے، جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا ہے'' (خطبہ الہ آباد) تو دوسری طرف مسلمان حکمران اتنے وسیع وعریض ملک میں آٹھ سو سال پر محیط ایک ایسا کثیر النسل وعقیدہ معاشرہ (Plural Society) قائم رکھنے میں کامیاب ہو گئے، جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ہندوستان میں اپنی کثیر التعداد رعایا کے ساتھ مسلمان حکمرانوں کا میل جول عدل وانصاف و رواداری اور مروت وشفقت پر مبنی تھا اور ہندوستان کے مداح اور قدر دان تھے بلکہ ان پر فدا تھے۔ ہندو سپاہی اور سپہ سالار مسلمانوں کی طرف سے ہندو راجاؤں کے خلاف بے مثال جانفشانی اور دلیری سے لڑتے محمود غزنوی سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر تک مسلمان بادشاہوں کے نمایاں سپہ سالار راجپوت مہاراجے تھے۔بقول ڈاکٹر تاراچند ''یہ (مسلمان) بلند مرتبہ لوگ تھے'' بقول پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام ''جو ہندو مسلم معاشرہ صلح وآشتی اور محبت ومروت کی اساس پر مسلمان حکمرانوں نے قائم کیا تھا، اس کی دو بنیادیں تھیں۔ایک مسلمان فاتحین کی عسکری قوت اور

دوسری ان کی اخلاقی قوت ۔عسکری قوت سے وہ اپنے مخالف ماحول میں قائم رہے اور اخلاقی قوت سے انہوں نے اسلامی تہذیب وتمدن ،تصوف و مذہب اور علوم وفنون کی نشر و اشاعت کی۔ ان اعلیٰ علوم وفنون نے ہندو معاشرے کو ہر اعتبار سے تبدیل کر دیا۔"

ہندوستان میں مسلمانوں کے عروج کا باعث ان کا اخلاق، رواداری اور موت سے نہ ڈرنا تھا اور ان کے زوال کا باعث ان کا اخلاقی انحطاط اور وہن یعنی دنیا سے محبت اور موت کا ڈر تھا۔اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے انگریز حکمرانوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ سرزمین ہند میں ہندو مسلم نفرت کے بیج بو دیئے، یہاں تک کہ مسلمان عہد کی آٹھ سو سالہ تاریخ کو ہی مسخ کر دیا۔اس افسوس ناک حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے 29 جولائی 1977 کو ہندوستان کی راجیہ سبھا میں ڈاکٹر بی۔این پانڈے (سابقہ گورنر اڑیسہ سٹیٹ) نے ایک پر جوش تقریر میں حکومت ہند سے اپیل کی کہ وہ ہندوستان کی تاریخ کو درست کر کے پیش کرے، تاکہ ہندوستان کی آنے والی نسلیں مستقبل سے ایک صحیح ذہنی رخ کے ساتھ نبرد آزما ہو سکیں۔ پاکستان سرزمین ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی جانشین ریاست ہے نہ کہ خلافت راشدہ کی۔ پاکستان کے اسلامی فوبیا نے عربوں کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔عرب زعما کا خیال ہے کہ پاکستان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اسلام 1947 میں دریافت ہوا تھا۔عرب کہتے ہیں اسلام ہماری زندگیوں کا ایک قدرتی حصہ ہے۔یہ ہمارے لیے ایسے ہے جیسے کھانے میں نمک۔ہمارے لیے ہر روز پاکستان کی طرح یہ اعلان کرنا ضروری نہیں کہ کھانے میں نمک بھی ہے۔ ہمارے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اب تو ہم میں اپنے دین کی نسبت سے خود اعتمادی آجانی چاہیے اور ہمارا یہ خوف جاتا رہنا چاہیے کہ کوئی ہم سے اسلام چھین لے گا بلکہ اس خوف سے نکلنے کے لیے ہمیں اسلام کے آفاقی پیغام کا علمبردار بن جانا چاہیے۔ جیسا کہ بانیان پاکستان کا مطمع نظر تھا۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارا ہدف فقط اسلامی ریاست کا قیام نہیں، بلکہ اس کے ذریعہ اسلامی یعنی مقاصد، سچائی، انصاف، مساوات اور انسانی فلاح کو حاصل کرنا ہے۔ بے شک ہمیں

ابھی دنیا پر یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم وہ بہترین امت ہیں، جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے دنیا میں لایا گیا۔ پس ہمارا عقیدہ کٹر لفظی بنیاد پرستی یا بے لچک تقلید کا نہیں بلکہ تخلیقی جدوجہد کا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ سب سے پہلے ہم اپنے نظامِ فکر کو صحیح لائنوں پر استوار کریں ۔اس سلسلے میں جس شے کا ہمیں سب سے پہلے فیصلہ کرنا ہوگا وہ یہ ہے کہ آیا ہمارا مطمحِ نظر فقط اسلام ہے یا فقط مسلمان یا پھر دونوں ۔ پہلے اختیار میں مسلمانوں کو اسلام پر قربان کر دیا جائے جیسا کہ ڈاکٹر اسرار احمد، امیر تنظیم اسلامی نفاذِ اسلام کی آخری صورت یہ بتاتے ہیں کہ ''مسلمان پاکستان کروڑوں کی تعداد میں ہندوؤں کے ہاتھوں قتل ہوں، اور پھر ہندو اسلام لے آئیں ۔ جیسے تاریخ میں ایک موقعہ پر تاتاریوں کے ہاتھوں کروڑوں مسلمان قتل ہوئے، لیکن پھر اسلام نے تاتاریوں کو فتح کر لیا۔ اسی طرح اب بھی اسلام ہندو کو فتح کر سکتا ہے۔''

دوسرے اختیار میں مسلمانوں کی خاطر اسلام کو پس پشت ڈال دیا جائے ۔ جیسے کہ ہمارے مغرب زدہ، فرنگی گزیدہ، آزاد خیال دانشور چاہتے ہیں۔ بے شک تیسرا اختیار ہی ہمارا مطمحِ نظر ہونا چاہیے جس کے تحت اسلامی نظام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہوگا اور مسلمان اسلام کے آفاقی پیغام کے علمبردار۔ پاکستانی مسلمانوں کا ایک بڑا تضاد یہ ہے کہ چاہتے تو وہ دنیاوی سرفرازی ہیں مگر جھنڈا اللہ ہی کا اٹھانا چاہتے ہیں اور ہماری یہ مجہول کوشش دونوں اللہ تعالیٰ اور مغرب کو ہمارا دشمن بنا دیتی ہے۔ حیرت ہے کہ ہمارے معتبر دینی زعما جو عوام کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے نسخے بتاتے ہیں بذاتِ خود اس فضیلت سے بہرہ مند نہیں۔

اسلام کا بنیادی تصور صحیح سمت اور درست جہت کا تعین ہے کیوں کہ بنیادی دینی تصورات کے رخ میں ذرا سا فرق بالآخر تمام کے تمام دینی نظامِ فکر کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ شاید اس خطرے کے پیشِ نظر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے، باوجود اس کے کہ وہ ہر رخ پر موجود ہے، مسلمانوں کے لیے عبادات اور فکر کا ایک ہی رخ متعین کیا ہے، جس کی کرۂ ارض پر علامت کعبہ مکرمہ ہے، جو تمام مسلمانِ عالم کا قبلہ ہے۔ یہ رخ محض ایک رسم کے طور پر ہی متعین نہیں کیا گیا،

بلکہ اس کا ایک گہرا روحانی مفہوم ہے۔ ہر مسلمان کو قرآن کریم کے کلی پیغام کو سمجھتے ہوئے، زندگی کے ہر شعبہ، اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت اور سیاست میں ایک مخصوص صالح انداز کو اپنانا چاہیے۔ اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک صالح انسان کا طرزِ عمل اللہ تعالیٰ اور بندوں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے۔ اگر ہماری روحانی سمت ہی درست نہ ہوگی تو پھر ہمارے سارے کے سارے اعمال اور دینی مساعی رائیگاں جائیں گی اور دنیا کا ہر ضابطہ اور قانون بیکار ہو کے رہ جائے گا۔ قبلہ کی درستگی کا مطلب یہ ہے کہ ہماری سوچ نہ صرف محدود دینی اور مذہبی امور میں ہی درست اور صحیح ہو بلکہ بڑے بڑے معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل میں بھی صحیح اور وسیع ہو۔

مگر اس کے برعکس ہوا یہ کہ قرآن مجید کی فقط چند ایک آیات پر ہی انحصار کر کے اپنا اپنا الو سیدھا کیا گیا اور مختلف دینی زعما نے مختلف عہدوں میں قرآن مجید ہی سے سرمایہ داری، اشتراکیت، زمینداری، جاگیرداری، ملائیت اور عسکریت کا جواز ڈھونڈ نکالا بلکہ خود پرستی کا یہ عالم رہا کہ اپنے اپنے سیاسی لائحہ عمل کو بھی قرآن ہی سے ماخوذ کیا گیا۔ اسلام کے نام پر اس سیاسی مفاد پرستی نے اسلام کو بالخصوص گزرے ہوئے سامراجی دور میں، ایک عضو معطل بنا کے رکھ دیا ہے۔ آج بھی فہم قرآن کی اس جزوی میلان اور دینی اکابرین کے ذاتی مفادات نے اسلام کو سیاسی اور مسلکی تنازعات میں گھیر رکھا ہے، اور اس کی ہمہ گیر قوت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس کے باوجود اپنے اپنے ناقص فہم قرآن اور اسلام کی مسخ شدہ تصویر پر ان دینی امراء کو زعم یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ ان کا ہمہ وقت حامی و ناصر ہے۔ حالانکہ ایک عرصہ دراز سے اللہ تعالیٰ نے ان پر خواری و مسکنت مسلط کر رکھی ہے۔ گو وہ اس سے بے خبر ہیں۔ یہی دینی اکابرین اگر چاہیں تو اللہ جل جلالہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر اور قرآن کے بنیادی تصورات، توحید، تقویٰ، عدل و احسان مساوات، میانہ روی، رواداری اور باہمی مشاورت کو اپنا کر کامیاب و فتح یاب ہو سکتے ہیں۔

اسلام کا امتیازی نشان اس کا توحید پر خصوصی زور ہے۔ بے شک توحید ہی باری تعالیٰ کا وہ ازلی اور فطری دین اسلام ہے جو کہ اس کا ہر رسول دنیا میں لے کر آیا ہے۔ توحید ہی وہ بنیادی تصور ہے،

جس سے تھوڑا سا انحراف بھی، ہر قسم کی معاشرتی برائیوں کو جنم دیتا ہے، اس مرکزی تصور سے ذرا سی روگردانی ہی طاغوتی طاقتوں کو سر اٹھانے کا موقعہ دیتی ہے۔ جن کے زیر اثر نہ تو مہذب معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت ہو سکتی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

''اسلام کو دین فطرت کے طور پر realise کرنے کا نام تصوف ہے اور ایک اخلاص مند مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرے۔ اس کیفیت کو میں نے emancipation سے تعبیر کیا ہے'' (انوار اقبال)

ہم شریعت اور روحانیت میں درمیانہ راستہ اختیار کرنے کی بجائے متشدد روّیہ اپنائے رہتے ہیں یا تو شرک کی حدود کو چھونے لگتے ہیں یا پھر روحانیت کے لیے بے ادبی کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں، حالانکہ ایسا کرنے کا کوئی جواز ہمارے پاس نہیں ہوتا۔ ہمارے کچھ علما تصوف کے اعلیٰ اخلاقی معیار سے خائف ہو کر بھی اس مخالفت کا جواز ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

دراصل ہمارے علماء کی خود پرستانہ اور ذاتی مفادات کی طرف مائل تفسیریں اور فقہی ترجیہات موجودہ دور کے بڑے بت ہیں مختلف دینی جماعتوں اور تحریکوں کا یہ رویہ امت مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے اور اصل میں یہی فساد کی جڑ ہے۔ ہر جماعت صرف اپنے آپ کو دین کا سچا محافظ خیال کرتی ہے اور ان جماعتوں کے کارکنوں کا خودستائی و پارسائی کا مغرورانہ رویہ مسلم عوام کو اپنے دین سے دور کر رہا ہے۔ شاید ہمارے ایسے ہی زعما کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے ان کو گمراہ کرنے کے لیے میری یہ کتاب ہی کافی ہے۔ (3:7) ان دینی زعما کا ایک اور المیہ یہ ہے کہ وہ جو کہتے ہیں، وہ کرتے نہیں اور عوام سے جھوٹے وعدے فرما کے اپنے آپ کو اور اپنے دین کو بدنام کرتے ہیں۔ اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں وہ اہداف اور اسباب میں تمیز کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اور ان کو اس امر کا بھی شعور نہیں کہ باری تعالیٰ پر ایک پر جوش ایمان کی حدت سے اسباب پگھل کر اللہ والوں کے قدموں میں آگرتے ہیں

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز (اقبالؒ)

غیر مسلم آخر اسلام کیوں قبول کرتے ہیں؟

(ڈاکٹر اختر احمد)

مخالفین اسلام، اسلام کو بدنام کرنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں۔ خاص طور پر جو لوگ اسلام میں دلچسپی لیتے ہیں ان کو متنفر کرنے کے لیے اسلام کی ایک خراب شکل ان کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل ہے اور عورتوں کو پردہ کرنا پڑتا ہے۔ نمازیں پڑھنی پڑتی ہیں اور ایک مہینے کے روزے بھی رکھنے پڑتے ہیں اور اسلام اپنے ماننے والوں پر بہت سی پابندیاں بھی لگاتا ہے۔ الغرض لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کے لیے مخالفین اسلام اپنا ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں مگر پھر بھی لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اس کی آخر وجہ کیا ہے، یہ وجہ معلوم کرنے کے لیے ہم ہزاروں لاکھوں نومسلم افراد میں سے ذیل میں صرف چند خوش قسمت افراد کا ذکر کریں گے کہ آخر انہوں نے اسلام میں کیا خوبی دیکھی جس کی وجہ سے انہوں نے اسلام کو قبول کیا۔ یہ ان افراد کے دل کی باتیں ہیں جو بات دل سے نکلتی ہے، وہ ہی دل پر اثر کرتی ہے۔ بعض اوقات بڑے پر اثر ٹھوس دلائل بھی اتنا اثر نہیں کرتے جتنی ایک دل سے نکلی ہوئی چھوٹی سی بات اثر کر جاتی ہے کیوں کہ قبول اسلام کا جس قدر تعلق دل سے ہے دماغ سے نہیں۔ ایمان کا تعلق بھی دل سے ہی ہے۔

ماہر علم الانسان، مصنف اور محقق پروفیسر ڈاکٹر آرایل میلما یورپ کے علمی حلقوں میں خاص عزت اور شہرت کے مالک تھے۔ وہ ایمسٹرڈیم کے استوائی عجائب گھر میں اسلامی شعبے کے صدر اور نگران تھے۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ اپنے قبول اسلام کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ مجھے اسلام کی مندرجہ ذیل باتوں نے متاثر کیا۔

1: صرف ایک اعلیٰ و برتر ہستی اللہ کا اقرار۔ یہ نظریہ فطرت کے اتنا قریب ہے کہ سوجھ

بوجھ رکھنے والا کوئی بھی انسان اسے آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے ۔اللہ تعالیٰ بڑا ہی بے نیاز ہے۔ سبھی مخلوقات اسی کی محتاج ہیں ۔وہ کسی کی اولا د نہیں مگر ہر چیز کو اس نے پیدا کیا اور ساری کائنات میں کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے وہ حکمت، طاقت اور حسن کا منبع ہے ۔وہ بڑا ہی مہربان اور بہت ہی زیادہ رحیم ہے۔

2: اللّٰہ کا اپنی کائنات مخلوقات اور اشرف المخلوقات انسان سے رابطہ براہ راست قسم کا ہے ۔اس تک پہنچنے کے لیے کسی درمیانی ذریعے کی ضرورت نہیں۔اسلام میں عیسائیت کی طرح پاپائیت کا کوئی تصور نہیں۔اسلام میں انسان اپنے اعمال وافعال کے لیے آزاد وخودمختار پیدا کیا گیا ہے، یہ دنیا اس کے لیے دارالامتحان ہے جہاں اسے دوسری زندگی کے لیے تیاری کرنا ہے ۔وہ اپنے اچھے برے کا خود ذمہ دار ہے اور کسی دوسرے کی قربانی اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

3:مذہب میں کوئی جبر نہیں اور ''صداقت جہاں سے بھی ملے اسے قبول کرلو'' اسلام کے ان سنہرے اصولوں میں رواداری اور حق شناسی کا جوہر پایا جاتا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔

4: اسلام انسانوں کو رنگ ونسل اور علاقے سے ماوراء ہو کر رشتہ اخوت میں منسلک کرتا ہے اور صرف یہی وہ مذہب ہے جس نے عملی طور پر ہر اس اصول کو اپنا کر دکھا بھی دیا ہے مسلمان دنیا میں کہیں بھی ہوں، وہ دوسرے مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں ۔خدا کے آگے سارے انسان یکساں درجہ رکھتے ہیں اس کا سب سے خوبصورت اور روح پرور مظاہرہ حج کے موقع پر احرام باندھ کر کیا جاتا ہے۔

5: اسلام زندگی میں روح اور مادے دونوں کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔

6: انسان کی ذہنی وروحانی پرورش کا گہرا تعلق اس کی جسمانی ضرورتوں کے ساتھ وابستہ ہے اسے زندگی میں ایسا انداز اختیار کرنا چاہیے کہ روح اور جسم اپنے اپنے دائروں میں ترقی کرسکیں

7: شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کو ممنوع قرار دینے کا عمل اپنے اندر وہ عظمت رکھتا ہے جس نے اسلام کو دیگر مذاہب کے مقابلے میں صدیوں آگے لا کھڑا کیا ہے۔

ملائیشیا کے ابراہیم کو آن اپنے قبول اسلام کی تفصیلات بیان کرتے ہیں کہ میں نے ساٹھ سال کی عمر ایک پروٹسٹنٹ عیسائی کی حیثیت سے گزاری اور اس دوران میں تقریباً تین سال تک کوالالمپور (ملائیشیا) کے چرچ میں پادری کی خدمات بھی انجام دیں۔ آپ کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک فرقوں میں اختلاف کی شدت کا کیا عالم ہے اور ان کے مذہبی عقائد باہم کتنے مختلف ہیں۔ اس کیفیت نے مجھے سخت پریشان کیا اور گھبرا کر میں نے قرآن کا سہارا لیا اور قرآن نے میری رہنمائی فرمائی۔ لارڈ رسل کے بقول عیسائیت نے ایک انتہا کی طرف جھک کر فاش غلطی کی جبکہ تہذیب جدید نے سارا وزن دوسرے پلڑے میں ڈال کر ظلم کیا وہ لکھتے ہیں، یہ ہم نے زندگی کے ظاہری ڈھانچے کو بے حد خوبصورتی اور سلیقے سے سجایا ہے مگر باطن کی بنیادی اور ضروری احتیاجات کو نظر انداز کر بیٹھے ہیں۔ ہم نے علم کی ساری صلاحیتوں اور عمل کی ساری قوتوں کو محض جسمانی عیش و آرام مہیا کرنے کے لیے استعمال کیا لیکن روح کے تقاضوں کی پروانہ کی اور اسے بے یارومددگار چھوڑ دیا۔

اس دردناک کیفیت کے برعکس اسلام زندگی گزارنے کا ایک درمیانہ اور متوازن لائحہ عمل دیتا ہے۔ اسلام مادیت اور روحانیت میں توازن پیدا کرتا ہے اور دونوں میں سے کسی کو نظر انداز نہیں کرتا اسلام کا مطلب ہے اطاعت یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کے قوانین و احکامات کی پابندی۔ اس کی مخلوقات کی خیر خواہی اور معاشرے کی اصلاح و بہبود کی فکر۔

عیسائیت، تہذیب حاضر اور اسلام کے تقابل مطالعے نے مجھے یکسو کر دیا۔ میں نے دل کی انتہائی گہرائیوں سے اسلام قبول کر لیا اور سچے مسلمان کی طرح اسلامی قوانین کی پیروی قبول کر لی ہاں اس امر کا اظہار کرتا چلوں کی قرآن میں کتنی ہی ایسی باتیں ہیں جن کی تصدیق بائبل بھی

کرتی ہے مثلاً اطاعت خداوندی، اخوت و مساوات، زندگی بعد الموت اور روز حشر پر ایمان۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ صحیح معنوں میں حضرت عیسیٰ پر میں اب ایمان لایا ہوں۔

مختصر اسلام کی جن تعلیمات نے مجھے اپنا اسیر بنایا وہ یہ ہیں۔

1: اسلام عیسائیت کے مقابلے میں کہیں زیادہ قابل عمل، قابل فہم، منطقی اور سادہ مذہب (دین) ہے۔

2: اسلامی عبادت اللہ تعالیٰ سے براہ راست تعلق جوڑتی ہے۔

3: اسلام میں اللہ کا تصور بڑا ہی باوقار ہے۔

4: اسلامی عبادات میں زندگی اور تکمیل کا احساس ہوتا ہے۔ عیسوی طرز عبادت کی طرح ادھورا پن نہیں ہے۔

5: قرآنی تعلیمات کے مطابق مسلمان گزشتہ الہامی کتابوں کو مقدس اور الہامی مانتے ہیں اگر چہ وہ تحریف کی نذر ہو چکی ہیں۔ قرآن ہر قسم کی ترمیم و تبدیلی سے محفوظ ہے اور پہلی کتابوں اور رسولوں کی تصدیق کرتا ہے۔

محترمہ امینہ جنان صاحبہ کا تعلق امریکہ سے ہے۔ آپ اپنے قبول اسلام کی وجہ بیان کرتی ہیں میرے والدین پروٹسٹنٹ عیسائی تھے۔ ہائی سکول کی تعلیم کے بعد شادی ہوگئی اور اس کے ساتھ میں ماڈلنگ کے شعبے سے منسلک ہوگئی۔ اور میں نے خوب محنت کی اور روپے پیسے کی ریل پیل ہوگئی مگر سچی بات یہ ہے کہ ہر طرح کے آرام و راحت کے باوجود دل مطمئن نہ تھا۔ بے سکونی اور اداسی جان کا گویا مستقل آزار بن گئی تھی اور زندگی میں کوئی زبردست خلا محسوس ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ میں نے ماڈلنگ کا پیشہ ترک کر دیا اور مختلف تعلیمی اداروں میں مذہبی تبلیغ کی رضا کارانہ خدمات انجام دینے لگی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے مزید تعلیم کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اسے خوش قسمتی ہی کہیے کہ مجھے ایک ایسی کلاس میں داخلہ مل گیا جس میں سیاہ فام اور ایشیائی طالب

علموں کی خاصی بڑی تعداد تھی ۔ بڑی پریشانی ہوئی مزید گھٹن یہ دیکھ کر محسوس ہوئی کہ ان میں خاصے لوگ مسلمان تھے اور مجھے مسلمانوں سے سخت نفرت تھی ۔ عام یورپین آبادی کی طرح میرے نزدیک بھی اسلام وحشت وجہالت کا مذہب تھا اور مسلمان غیر مہذب، عیاش، عورتوں پر ظلم کرنے والے اور اپنے مخالفین کو زندہ جلا دینے والے لوگ تھے ۔ امریکہ اور یورپ کے عام مصنفین اور مورخ یہی کچھ لکھتے آرہے ہیں ۔ بہر حال شدید ذہنی کوفت کے ساتھ تعلیم شروع کی پھر اپنے آپ کو سمجھایا، کہ میں ایک مشنری ہوں ۔ کیا عجیب کہ خدا نے مجھے ان کافروں کی اصلاح کے لیے بھیجا ہو ۔ چنانچہ میں نے صورت حال کا جائزہ لینا شروع کر دیا تو حیرت میں مبتلا ہوگئی کہ مسلمان طالب علموں کا رویہ دیگر سیاہ نوجوانوں سے بالکل مختلف تھا ۔ وہ شائستہ مہذب اور باوقار تھے ۔ وہ عام امریکی نوجوان کے برعکس نہ لڑکیوں سے بے تکلف ہونا پسند کرتے تھے، نہ آوارگی اور نہ عیش پسندی کے رسیا تھے ۔ میں تبلیغی جذبے کے تحت ان سے بات کرتی ۔ میں نے سوچا کہ اسلام کا مطالعہ کرنا چاہیے تا کہ اس کے نقائص اور تضادات سے آگاہ ہو کر مسلمان طالب علموں کو زچ کر سکوں ۔ چنانچہ اس مقصد کی خاطر میں نے سب سے پہلے قرآن کا انگریزی ترجمہ پڑھنا شروع کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ کتاب دل کے ساتھ دماغ کو بھی اپیل کرتی ہے، عیسائیت پر غور و فکر کے دوران اور بائبل کے مطالعے کے نتیجے میں ذہن میں کتنے ہی سوال پیدا ہوئے تھے مگر کسی پادری یا دانشور کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا اور یہی تشنگی روح کے لیے مستقل روگ بن گئی تھی مگر قرآن پڑھا تو سارے سوالوں کے جواب مل گئے جو عقل وشعور کے عین مطابق تھے ۔ مزید اطمینان کے لیے اپنے کلاس فیلو مسلمان نوجوانوں سے گفتگو اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ میں اب تک اندھیروں میں بھٹک رہی تھی ۔ قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات سے میں مطمئن ہوگئی تو میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا ۔

میرے قبول اسلام پر پورے خاندان پر گویا بجلی گر پڑی اور میرے شوہر نے مجھ سے علیحدگی اختیار کر لی ۔میرے والد بھی اس خبر سے بے حد پریشان ہوئے اور غصے میں ڈبل بیرل شارٹ گن لے کر میرے گھر آ گئے تا کہ مجھے قتل کر ڈالیں ،مگر خدا کا شکر ہے کہ میں بچ گئی اور وہ ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کر کے چلے گئے میری بڑی بہن ماہر نفسیات تھی ۔اس نے اعلان کر دیا کہ یہ کسی دماغی عارضے میں مبتلا ہو گئی ہے۔

یہ بھی اللہ ہی کی توفیق تھی کہ میں نے مختلف مقامات پر مسلم وومن سٹڈی سرکل قائم کیے جس میں غیر مسلم خواتین آتی ہیں ۔میں خواتین کو بتاتی ہوں کی اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے خواتین کو جو حقوق عطا کیے تھے اس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی ،بحیثیت بیٹی ،بہن، بیوی اور ماں اسے خاص احترام اور حقوق حاصل ہیں۔ میں جب تقابلی موازنہ کرتی ہوں تو امریکی عورتوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ جاتے ہیں وہ تحقیق کرتی ہیں ،مطالعہ کرتی ہیں اور جب انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ میں صحیح باتیں کرتی ہوں اور واقعتاً اسلام نے عورت کو غیر معمول حقوق واحترام عطا کیا ہے تو وہ اسلام قبول کر لیتی ہیں ۔چنانچہ اللہ کا شکر ہے کہ اب تک تقریباً چھ سو امریکی خواتین دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی ہیں۔

میرا وہ خاندان جس نے میرا مکمل سوشل بائیکاٹ کر دیا تھا اللہ کے فضل سے اس کے بیشتر افراد اسلام قبول کر چکے ہیں ۔میرے والد جو مجھے قتل کرنے کے درپے تھے وہ مسلمان ہو چکے ہیں ۔اس کے علاوہ ،دادا، دادی اور خاندان کے کئی دیگر افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔

شادی کی اہمیت

(امتیاز احمد)

اسلام ہمیں شادی کے پر مسرت موقع پر خوشیاں منانے کی پوری پوری اجازت دیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی نہ صرف یہ کہ نئے شادی شدہ جوڑے کو بلکہ ان کو بھی جن کی شادیاں ہو چکی ہیں اور خاص کر ان کو جن کی شادیاں آئندہ ہونے والی ہیں، شادی کی اہمیت اور اس کی ذمہ داریوں کی طرف پوری پوری رہنمائی کرتا ہے۔

ایسا اس لئے ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کے نزدیک شادی ایک انتہائی اہم اور مقدس فریضہ ہے جس کے متعلق اللّٰہ نے قرآن حکیم میں بڑی ہی تفصیل سے ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ایک کامیاب شادی وہی ہے جو اسلام کے بتائے ہوئے اصول وضوابط کی بنیاد پر کی گئی ہو۔اس سے نہ صرف یہ کہ گھریلو زندگی کامیاب ہوتی ہے، بلکہ اس سے ایک بہتر معاشرے کی بنیاد رکھی جاتی ہے

سب سے پہلے ہم اللّٰہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے شادی کے ذریعہ ہم سب کو کامیاب زندگی بسر کرنے کا صاف ستھرا، پاکیزہ اور فائدہ مند نسخہ عطا فرمایا۔قرآن میں اللّٰہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"انسان (طبعًا) کمزور پیدا ہوا ہے۔(سورہ النساء: 28)

اگر ہمیں تمام عمر بغیر شادی کے زندگی گزارنے کو کہا جائے تو ہمارے لئے بہت ساری مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔اسی لئے اللّٰہ نے نکاح کا قانون بنایا ہے تا کہ ہم ہر لحاظ سے شادی کے قابل ہوتے ہی نکاح کر لیں۔شادی دو انجانے انسانوں یعنی مرد اور عورت کے درمیان ہمدردی، محبت، اخلاص اور دو اجنبی خاندانوں کے درمیان اٹوٹ رشتوں کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں، تا کہ تم ان

سے آرام پاؤ۔اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی۔یقیناً غوروفکر کرنے والوں کیلئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں"۔(سورہ الروم: 21)

لہٰذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ مرد اور عورت کے درمیان شادی کے ذریعہ محبت،خلوص اور امن و امان کی فضا قائم کرنا چاہتا ہے۔

دونوں میاں بیوی کے آپس میں محبت،خلوص،ایثار و قربانی کا جذبہ یک طرفہ نہیں ہے بلکہ اس رشتہ کو آپس میں قائم و دائم رکھنے کے لئے دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔قرآن پاک کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو لفظ ایک ساتھ استعمال کئے ہیں۔(۱) مودّت (۲) رحمت علماءدین کا کہنا ہے کہ دونوں الفاظ کا مطلب محبت ہے۔مودّت وہ محبت و کشش ہے جو میاں بیوی کے درمیان فطری طور پر جوانی میں ہوتی ہے اور بڑھاپے میں جب یہ جذبات ختم ہو جاتے ہیں تو اللہ کی رحمت سے سرشار ہو کر ایک دوسرے سے نہایت عزت و احترام سے پیش آتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے چھوٹی سی آیت کریمہ کتنی فصیح و بلیغ ہے۔

ہم سب کو دو طرح کے حقوق حاصل ہیں۔ایک حق تجارت اور لین دین کے سلسلہ میں دیا گیا ہے۔ان حقوق کی وضاحت تجارت کے معاہدوں میں درج ہوتی ہے اور تجارت کے متعلق فیصلے بھی اسی معاہدے کی روشنی میں ہوتے ہیں۔اگر اس سلسلہ میں کوئی تنازعہ ہوتا ہے تو اس کا فیصلہ قاضی کی عدالت میں ہوتا ہے۔

پھر دوسرے حقوق وہ ہیں جو والدین اور اولاد اور دیگر رشتے داروں کے درمیان ہوتے ہیں یا شوہر اور بیوی کے درمیان ہوتے ہیں۔دنیا میں آج تک کوئی ایسا آلہ یا پیمانہ ایجاد نہیں ہوا جو یہ بتا سکے کہ کس کے لئے کس کے دل و دماغ میں کتنی محبت یا کتنا خلوص یا کتنی ہمدردی ہونا چاہیے؟ سوائے اس کے کہ انسان کے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف ہو اور روزِ آخرت میں جواب دینے کی ضرورت کا احساس ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے رسول ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ اتقوا اللہ۔

یعنی لوگو! زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔اس کی وضاحت کے طور پر آپ ﷺ خطبۂ نکاح میں سورۃ النساء کی پہلی آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے:

"لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا(یعنی اوّل)اور پیدا کیا اسی میں سے جوڑا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے۔اور اللہ سے جس کے نام کو اپنی حاجت روائی کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے"۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے: "بے شک انسان پر زمانے میں ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھی"۔(سورہ الانسان 1)

اب اگر کسی کی عمر آج بیس سال ہے تو بتایئے پچیس سال پہلے اسے کون جانتا تھا؟ کوئی بھی نہیں! یہاں تک کہ خود اس کے ماں باپ بھی اس کے وجود سے لاعلم تھے!یہ اللہ ہی ہے جس نے اسے پیدا فرمایا۔اللہ صرف ہمارا خالق ہی نہیں، ہمارا مالک اور رازق بھی ہے۔لہٰذا ہماری تمام تر وفاداری صرف اور صرف اللہ کے لئے ہونی چاہیے۔

اگر اللہ چاہتا تو ہمیں کئی مختلف طریقوں سے پیدا فرما سکتا تھا لیکن اس نے ہمیں ایک انسان آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا تاکہ ہم یہ یاد رکھیں کہ ہم سبھی انسان ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔اسی لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس عظیم الشان خاندان کے ہر فرد کے درمیان محبت، اخوت، بھائی چارہ اور ہمدردی کے جذبات جاری وساری ہوں۔عالمِ انسانیت کے درمیان اس طرح کے سبق صرف اور صرف مذہب اسلام دیتا ہے!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "مرد عورتوں کے انچارج ہیں"۔(سورہ النساء 34)

اس آیت کا لوگ غلط مطلب اخذ کرتے ہیں اس لئے کہ لوگ اس مضمون کے متعلق قرآن حکیم کی دوسری آیات کو بھول جاتے ہیں اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ مرد عورت پر ظالموں اور جابروں جیسا سلوک کرے۔

"اپنی عورتوں کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آؤ"۔(سورہ النساء 19)

"خانگی معاملات میں اپنی بیویوں سے صلاح ومشورہ ضرور کرتے رہا کرو"۔(سورہ البقرہ 233)

"اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے" (سورہ البقرہ 228)

پس اللہ تعالیٰ کی نظر میں دونوں کے حقوق برابر ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ہی دونوں کو ہی مختلف ذمہ داریاں دی ہیں۔جو ذمہ داری مرد کی ہے وہ صرف مرد ہی بخوبی ادا کرسکتا ہے اور جو ذمہ داری عورت کی ہے وہ صرف عورت ہی بخوبی ادا کرسکتی ہے۔

پس ہر شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس سے ہر بات میں مشورہ کرلیا کرے۔پھر اس کی روشنی میں فیصلہ صادر کرے اور اگر مرد کا فیصلہ غلط ثابت ہو تو اس کے نقصان کا پورا پورا ذمہ دار وہ خود ہوگا اور اس کے لئے اسے دنیا اور آخرت دونوں میں اکیلا جواب دینا ہوگا۔پس انچارج یا حاکم ہونا مرد کے لئے ایک کٹھن امتحان ہے۔

"تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت میں (خاوند کی دولت وآبرو کی) پاسبان ہوتی ہیں"۔(سورہ النساء: 34)

دولت سے مراد صرف مال واسباب ہی نہیں بلکہ اولاد کی پرورش بھی ہے۔لہٰذا اسلامی طریقہ پر اولاد کی پرورش بہت ہی اہم ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو عورتیں اپنے مال و اسباب کے ساتھ ساتھ پوری ایمانداری، دلچسپی اور محبت سے اپنی اولاد کی پرورش ونگہداشت کریں گی اللہ تعالیٰ خود ان عورتوں کی ہر ممکن امداد فرمائے گا۔

اس آیت کریمہ کی وضاحت میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا "بیویوں میں سب سے اچھی بیوی وہ ہے جسے دیکھتے ہی تمہارے دل میں خوشی کا احساس جاگے۔جب تم اس سے کسی کام کا کہو تو وہ فوراً اس کی تعمیل کرے اور جب تم اس سے دور رہو تو وہ تمہاری غیر موجودگی میں اپنے آپ کو اور اپنے مال واسباب کو حفاظت میں رکھے"۔

زندگی میں ہمیشہ ہی کامیابی، کامرانی، خوشیاں اور آسانیاں میسر نہیں ہوا کرتیں۔ کبھی کبھی اونچ نیچ کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر کہیں کسی قسم کا اختلاف ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور اگر تم معاف کرو اور درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ بہت معاف کرنے والا ہے"۔(سورہ التغابن: 14)

معاف کر دینے کی صورت میں آپ کی ہار نہیں بلکہ ایک طرح سے آپکی جیت ہوتی ہے۔ لہٰذا اپنے باہمی اختلافات دور کرتے وقت میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آنا چاہیے۔ ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا، کوسنا، جلی کٹی باتیں کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اور بھی برا ہے۔ لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "اپنے والدین کو گالی مت دیا کرو"۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا؟ "یا رسول اللہ! کوئی اپنے والدین کو گالی کیسے دے سکتا ہے؟۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "جب تم دوسروں کے والدین کو گالی دو گے دوسرے بھی طبعاً تمہارے والدین کو گالی دیں گے۔ اسطرح تم اپنے ہی والدین کو گالیاں دلوانے کا ذریعہ بن جاؤ گے"۔ اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کے ذریعے نہ صرف ہمیں ایک دوسرے کو معاف کرنے کی ہدایت فرماتا ہے بلکہ ہمیں یہ بھی یاد دلاتا ہے کہ ہم غصہ کی حالت میں اپنے گذشتہ اچھے تعلقات کو فراموش نہ کریں۔

"اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا"۔(سورہ البقرہ 237)

اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے کے سلسلہ میں فرماتے ہیں "وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو"۔(سورۃ البقرہ 187)

یعنی لباس کا مقصد و مصرف کیا ہے؟ لباس ہمیں گرمی، سردی، دھول اور مٹی سے محفوظ رکھتا ہے ٹھیک اسی طرح عورت اور مرد بھی ایک دوسرے کے محافظ ہیں۔ ایک دوسرے کی ڈھال ہیں۔ جس طرح لباس کسی حد تک ہماری جسمانی بدصورتی اور ظاہری عیوب کو چھپاتا ہے بالکل اسی طرح میاں بیوی کو ایک دوسرے کی جسمانی اور اخلاقی خامیوں اور کمزوریوں کو دوسروں سے چھپانا چاہیے۔

لباس مردانہ اور زنانہ حسن وخوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہیں تو ایک جوڑے کی حیثیت سے ایک دوسرے میں نکھار پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ لباس، پہننے والے کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ مرد اور عورت کو صرف شادی بیاہ کی تقریبات میں حصہ لیتے وقت پرکشش لباس زیب تن نہیں کرنا چاہیے بلکہ شوہر اور بیوی کے رشتے سے جسمانی طور پر بھی ایک دوسرے کے لئے زیادہ سے زیادہ پرکشش بنے رہنے کی پوری پوری کوشش کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر ہر مرد کو گھر میں اور گھر کے باہر بھی بھدّے اور بے جوڑ کپڑے نہیں پہننا چاہیے۔ یہی مثال عورت پر بھی صادق آتی ہے اس لئے دونوں میاں بیوی کو اچھے سے اچھا لباس زیب تن کر کے ایک دوسرے کے لئے خلوص اور محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ یاد رہے کہ لباس صرف ظاہری حسن میں ہی اضافہ نہیں کرتا بلکہ اس سے دونوں کے حسن اخلاق میں بھی اضافہ ہونا چاہیے۔

لباس مرد اور عورت دونوں کے جسم سے قریب ترین رہتا ہے۔ جسم سے چپکا ہوا رہتا ہے۔ لپٹا ہوا رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح شوہر اور بیوی بھی ایک دوسرے سے اتنے ہی قریب رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے پوشیدہ رازوں سے بھی پوری طرح واقف رہتے ہیں۔ میاں اور بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا احترام کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ رہنا چاہیے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ شوہر صرف اپنے رشتہ داروں کے ساتھ مل جل کر رہے اور بیوی صرف اپنے رشتے داروں کے ساتھ میل جول بڑھائے۔ سب سے زیادہ قربت میاں بیوی میں ہونی چاہیے۔

دنیا بھر کی کسی بھی زبان کی کسی بھی کتاب میں اس اہم موضوع پر اتنا مختصر اور پرمعنی جملہ نہیں ہے جیسا قرآن حکیم میں موجود ہے: "وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو"۔

اگر اب نہ جاگے تو مٹ جائیں گے

(محمد نواز رومانی)

اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ایک آفاقی نظام حیات اور عالمی دستور زندگی ہے۔ لہٰذا اس کے دائرہ کے اندر ہی رہ کر میاں بیوی بے حد فیوض و برکات، رحمت ربانی، عزت و وقار، آبرو اور عظمت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔اگر اسلامی طرز حیات کا موازنہ موجودہ مغربی معاشرہ میں زندگی کے رنگ ڈھنگ سے کیا جائے تو پھر احساس ہوتا ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو کتنے فتنوں، برائیوں، گناہوں، بے حیائی اور خباثتوں سے بچا رکھا ہے۔بدرالقادری مصباحی نے اپنے مقالہ حسن معاشرت میں مغربی طرز زندگی کی "دہکتا ہوا معاشرہ" کے عنوان سے خوب عکاسی کی ہے جو دلدادگان مغربیت کے لئے تازیانہ ہے۔لکھتے ہیں:

انسان خلق خدا میں سب سے زیادہ معزز ہے۔باوقار اور ممتاز ہے۔کوئی شہوانی جانور نہیں جسے صرف شراب و شباب میں غرقاب کر دیا جائے تو اس کے مقصد حیات کی تکمیل ہو جائے گی۔ ترقی یافتہ دنیا کی مفلس تہذیب بنی آدم کو جس راہ پر لے جا رہی ہے وہاں ہر طرف پیاس ہی پیاس ہے۔ تڑپ ہی تڑپ۔بے چینی اور بے قراری کے سوا کچھ نہیں۔صفحہ عالم کا زیر اثر حصہ سکون و طمانیت کی دولت سے خالی ہوتا جا رہا ہے۔حصول دولت اور نفسانیت کی راہ میں رسہ کشی ہو رہی ہے۔ حرص و طمع، ہوا و ہوس کی گرم بازاری ہے۔نگاہیں پیاسی، قلوب پیاسے، معاشرہ پیاسا ہے۔سیرابی میسر نہیں۔شہوت کا عفریت نامور شہروں کی بلند و بالا ج مرصع اور ارفع و اعلیٰ عمارتوں سے جھانک رہا ہے۔دنیا اور دنیا والوں کو تخلیق فرمانے والے پروردگار نے دن کام کاج اور رات کو آرام و حصول راحت کے لئے پردہ پوش بنایا ہے جیسا قرآن حکیم کی سورہ النبا آیت 10، 11 میں ہے۔

"اور ہم نے بنایا رات کو پردہ پوش اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لئے بنایا"۔

مگر اندھی تہذیب کے متوالوں کا اصل کام اس وقت شروع ہوتا ہے جب نیر تاباں

غروب ہو جاتا ہے۔ادھر شام کی چلمن گری ادھر بازار عصیاں کی آرائش کا آغاز ہوا۔تاریکی جوں جوں بڑھتی ہے یہ سیاہ باطن اپنے گھناؤنے پنجے آستینوں سے باہر نکالنا شروع کر دیتے ہیں۔

ان نفسانی اور شہوانی کارندوں نے اب اپنے تباہ کن، ہلاکت خیز اور جہنم رسا کاموں کو بہت منظم کر لیا ہے۔اسی کا نام تو تہذیب نو ہے۔آپ جانتے ہیں ترقی یافتہ دنیا کسے کہتے ہیں؟

۞ جہاں شراب پینا فیشن اور ام الخبائث کو بقائے صحت کی ضمانت سمجھا جائے۔

۞ قمار بازی اعلیٰ سوسائٹی کا فرد ہونے کی سند ہو۔

۞ ناچ، رقص، اچھل کود، دھما چوکڑی، شور وشر میں ہر نوجوان لڑکا اور لڑکی از خود رفتہ ہو۔

۞ مذہب اور ریلیجن جہاں طاق نسیاں میں رکھی ہوئی فرسودہ کتاب سمجھی جائے۔

۞ تعلیم کے نام پر جہاں اسکولوں، کالجوں میں بے حیائی اور بدتمیزی کا کوئی عمل دیکھنے سے روکا نہ جائے۔

۞ رات گئے دیر کو لوٹتے ہوئے ہر نوجوان لڑکا اس شب کی من پسند لڑکی کو ساتھ لانے میں آزاد ہو

۞ کلب سے لوٹتے ہوئے اپنے ساتھ لائے ہوئے نوجوان دوست کا لڑکی چہک چہک کر گھر والوں سے تعارف کرانے میں کوئی بے باکی محسوس نہ کرے۔

۞ جہاں سن شعور کو پہنچنے سے پیشتر ہی لڑکے اور لڑکیاں جنسی اختلاط کے فطری اور غیر فطری طریقے آزما چکیں

۞ جہاں شادی بیاہ، خاندان، حمل اور ولادت کو فرسودہ طریقہ اور بلا وجہ کی زحمت سمجھا جائے۔

۞ اسقاط حمل اور اولادِ زنا کی پرورش کے جملہ انتظامات حکومت اپنا ذمہ سمجھے۔

۞ جہاں مردوں کو مردوں کے ساتھ اور عورتوں کو عورتوں کے ساتھ ہم جنسی کی آزادی ہی نہیں بلکہ قانونی تحفظ حاصل ہو۔

۞ جہاں انسانی اخلاق کا معیار اتنا گر جائے کہ بوڑھے بوڑھیاں اولاد سے زیادہ کتے بلیوں کو فرمانبردار سمجھنے لگیں۔

جہاں ایسے واقعات عام ہوں کہ متعدد اولاد رکھنے کے باوجود ماں باپ تنہا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجائیں۔جب لاش سے تعفن اٹھے تو پڑوسیوں کے ذریعہ اولاد کو اس کی موت کا علم ہو۔

یہ ہے ترقی یافتہ دنیا کی آزادی اور ترقی کا مختصر معاشرتی خاکہ۔یاد رہے کہ

الف: دنیا کا ایک حصہ اس آزادی کے مزے چکھ رہا ہے۔

ب: دوسرا خطہ اس آزادی سے کچھ حصہ پا چکا ہے اور مزید پانے کیلئے سرتوڑ کوشش کررہا ہے

ج: تیسرا خطہ اس آزادی سے محروم ہے۔وہ اسے ایک لعنت سمجھتا ہے۔مگر خود الف کی آزاد دنیا اس تیسرے خطے تک اپنی برکتیں جلد از جلد پہنچانے کے لئے بے قرار ہے۔

بیشتر مسلمان دنیا کے اس تیسرے زمرے میں آتے ہیں اور کلمہ طیبہ والی صرف یہی ایک ملت شیطانی منصوبوں کے آڑے آتی ہے اور بے حیائی،حرام کاری،فضول خرچی،عیاشی اور نسل انسانی کی بربادی کے منصوبوں کا تریاق رکھتی ہے۔اسلئے کہ یہ قانون الٰہیہ پر عمل کرنے والی اور منشاءالٰہی کو برپا کرنے والی ملت ہے۔(ص 35)

لیکن باطل قوتوں،ابلیسی چیلوں اور ملت کفر وشرک کو یہ بات پسند نہیں کہ ان کے سیاہ کرتوتوں اور مادر پدر آزاد معاشرتی قدروں پر ضرب کاری لگانے والی کوئی قوت یا ملت اسلامیہ موجود ہو۔یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے وجود نے جن کے پاس دین حق،عشق ومحبت رسول کریم ﷺ اور جذبہ جہاد کی بہت بڑی نا قابل تسخیر قوت موجود ہے دنیائے کفر وشرک و دہریت کی نیندیں حرام کررکھی ہیں۔لہذا آپ دیکھتے ہیں کہ فی زمانہ مغربی دنیا نے اپنے میڈیا کی تمام توپوں کا رخ مسلمانوں کی طرف موڑ رکھا ہے تا کہ وہ بجز نام کے حقیقی مسلمان نہ رہیں اور وہ متذکرہ قوت سے عاری تہی دامن ہوجائیں۔اس کے لئے وہ کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ان کی انتہائی کوشش ہے کہ یہ بھی عملاً ہم جیسے ہوجائیں اور دنیا کے حمام میں سب ننگے اور دم کٹی لومڑی کی طرح ہوجائیں۔

واقعہ اس طرح ہے کہ کسی لومڑی کی دم کٹ گئی۔دوسری لومڑیاں اسے طعنہ دیتی تھیں

جب وہ طعنے مینے سن کر تنگ آ گئی تو اس نے کہنا شروع کر دیا کہ جب سے دم کٹی ہے مجھے دن کو بھی تارے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اس کے کہنے پر ایک دوسری لومڑی نے بھی دم کٹوا دی اسے دن میں تارے نظر نہ آئے تو اس نے ترغیب دینے والی لومڑی سے کہا تو وہ بولی تارے تو مجھے بھی نظر نہیں آتے لیکن اب تم بھی یہی کہو۔ چنانچہ اب دو لومڑیوں نے کہنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ جنگل کی سب لومڑیوں نے اپنی دمیں کٹوا دیں۔ اب کوئی کسی کو طعنہ نہیں دیتا تھا کہ تم دم کٹی ہو۔

اپنے جیسا بنانے کیلئے اہل مغرب اور اس کے حواری شبانہ روز مسلمانوں کی ثقافت، ان کے دین، اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں پر مختلف طریقوں سے حملہ آور ہوتے رہتے ہیں تا کہ انہیں دنیا کی کمزور ترین اور مغربی دنیا کی محتاج قوم بنا دیا جائے۔ ان کو احکامات الٰہیہ اور شریعت محمد یہ ﷺ پر عمل کرنے، قرآن و سنت کی تعلیمات کو حرز جاں بنانے، عشق و محبت رسول کریم ﷺ سے اپنے سینوں کو جگمگانے اور آباد کرنے کی حرارت و جوش و جذبہ سے محروم کر دیا جائے۔ اس طرح ان سے کوئی خطرہ نہ رہے گا۔

لیکن ان کوتاہ فہمیوں اور بے عقلوں کو اتنا شعور و علم نہیں کہ حق کے چراغوں کو باطل کی پھونکوں سے بجھایا نہیں جا سکتا۔ ان سے قبل ماضی قریب و بعید میں کئی قومیں، کئی قوتیں اور کئی اشخاص اسلام اور اس کی خاطر مر مٹنے کے جذبات کو مسلمانوں کے سینوں سے مٹانے کی حسرتیں لے کر اندھی تاریک قبروں میں پڑے اپنی خباثتوں کا خمیازہ بھگت رہے ہیں اور یوم قیامت وہ جہنم کے پیٹ میں اتار دیے جائیں گے۔

مسلمانوں اور مسلمان حکمرانوں کو رفتار زمانہ کا بغور جائزہ لینا چاہیے وہ دشمنان دین متین کی چالوں کو سمجھیں اور ان کے توڑ کے لئے سرگرم عمل ہوں اور اس کا آغاز ہر مسلمان کو اپنے گھر سے کرنا چاہیے ورنہ حالات کی چکی یہ نہیں دیکھتی کہ اس میں کون پس رہا ہے اگر اب نہ جاگے تو مٹ جائیں گے۔

قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ کی سنہری یادیں

(عزیز عارف توحیدی)

دسمبر 1971 کی پاک بھارت جنگ کے دوران بذریعہ "**تعمیر ملت**" سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سرسری سا تعارف ہو چکا تھا۔ تعمیر ملت کے ابتدائی چند صفحات ہی کا مطالعہ کر پایا تھا کہ کتاب، صاحب کتاب کے پاس رہ گئی اور ہم روزمرہ کے معمولات میں مصروف کار ہو گئے۔ اپریل 1972 میں کورنگی کریک کراچی میں واقع سکول آف الیکٹرونکس میں ابتدائی تربیت کیلئے پوسٹنگ کے دوران سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے مکمل تعارف کے بعد حلقہ ہائے ذکر میں باقاعدگی سے جانا شروع کیا۔

1972 ہی میں قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ، (مجاز روحانی جناب قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاری علیہ الرحمۃ) کی سرگودھا سے کورنگی کریک سے پوسٹنگ ہوئی۔ تعارف کنندہ نے دور سے اشارے سے بتایا کہ وہ ہیں جناب محمد صدیق ڈار صاحبؒ، نہایت سمارٹ، چاک و چوبند، بہترین یونیفارم میں ملبوس بہت اچھے لگے۔ چند دن کے بعد ہفتہ وار حلقہ ذکر میں تشریف لائے، تفصیلی تعارف ہوا۔ حلقہ ذکر کے بعد آپؒ نے اپنے مخصوص، مؤثر اور مدلل انداز میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات پر روشنی ڈالی۔ بہت مزہ آیا۔ قرآن و حدیث کے حوالہ جات سے آپ کا تجربہ علمی خود ہی متکلم تھا۔ انہی ایام میں ملتان میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ کنونشن منعقد ہوا۔ وہاں سے واپسی پر بانی سلسلہ رحمۃ اللہ کے سالانہ خطبہ "چراغ راہ" کی کاپی ہمیں بھی دی گئی۔ اس خطبے کی خاص بات یہ تھی کہ قبلہ حضرت باباجی انصاریؒ نے برادران کو سلسلے کی تعلیم زبانی بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی بلکہ دیہات و امصار میں پھیل کے خصوصی مجالس کے انعقاد کا ٹاسک بھی دیا تھا۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آغاز پاکستان ائرفورس سے ہوا تھا اور پرانے بھائیوں کی اکثریت پاک فضائیہ سے تھی۔کورنگی کریک چونکہ فضائیہ کے تربیتی اداروں کا مستقر تھا لہٰذا نوجوان ائیرمین جہازوں سے متعلق تمام ٹیکنیکل ٹریڈز کی تربیت لینے سارا سال ہی آتے رہتے تھے۔ قبلہ ڈار صاحبؒ اور آپ کے ساتھ دوسرے سینئر بھائیوں نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سینکڑوں نوجوان طالبان راہ حق تک سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی ماڈرن تعلیمات کو بطریق احسن پہنچایا۔ جس کے سرخیل یقیناً قبلہ محمد صدیق ڈار رحمۃ اللہ علیہ تھے۔اس وقت کے مجازین کرام میں سب سے جلد منصب مجاز اور نوعمر ہونے کے لحاظ سے آپ سرفہرست تھے۔آپؒ 1959 میں قبلہ انصاریؒ کے دستِ شفقت پر بیعت ہوئے اور 61-1960 میں آپ ''**مجاز**'' مقرر ہو چکے تھے۔آپؒ ہر کام ہمیشہ وقت پر، بغیر التواء، محنت، لگن اور جانفشانی سے کرنے کے عادی تھے۔فرائض منصبی ہوں، سلسلہ کے از خود کے ذکر اذکار یا تعلیمات کی نشر و اشاعت و بیاں ہو، آپ انجام دہی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ وہ توحیدی ہی کیا جس سے کوئی دوسرا سبقت لے جائے۔قائداعظمؒ نے پاکستان ایئرفورس اکیڈمی میں اپنے خطاب میں فرمایا تھا:

Pakistan must build an Air Force - second to none

یہ الفاظ بطور سلوگن جلی حروف میں فضائیہ کے سبھی اداروں اور مستقروں (Bases) پر نمایاں جگہوں پر آویزاں ہوتے تھے۔چنانچہ قبلہ ڈارؒ فرمایا کرتے تھے۔ We all must be sceond to none اس اصول پر اس درجہ کاربند رہے کہ کوئی کورس ہو، پروموشن کے امتحانات ہوں، سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات پر عمل ہو آپؒ نے ہمیشہ ہر جگہ ٹاپ کیا۔تھکاوٹ نام کے الفاظ جیسے آپ کی حیات مبارکہ میں تھے ہی نہیں۔ہم نے آپ کو ہمیشہ مصروف کار پایا۔

کورنگی کریک سے آپ نے جو ''توحیدی پود'' تیار کی وہ حلقہ توحیدیہ میں ایک بیش بہا اضافہ تھا۔سلسلہ عالیہ کی تعلیمات اور ذکر اذکار میں آپ کو رول ماڈل کی حیثیت حاصل تھی۔ چونکہ آپؒ کو بانی سلسلہ سے خاص قربت حاصل تھی اور قبلہ انصاریؒ قبلہ ڈار صاحبؒ سے سلسلے کی

تعلیمات سے متعلق کئی باتوں میں رائے تک لیتے تھے۔

قبلہ انصاریؒ اپنے روحانی دوروں پہ تشریف آوری کے دوران اکثر قبلہ ڈارؒ کے ہاں قیام فرمایا کرتے تھے۔اور آپ نے براہ راست قبلہ انصاریؒ کو ذاتی ذکر کرتے ہوئے سنا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حلقہ ذکر یا ذاتی ذکر کے دوران آپ اسی مخصوص tone میں ذکر فرمایا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تعلیمات کی ہم آہنگی و یگانگت کے لیے ضروری ہے کہ اس میں ہر لحاظ سے قبلہ انصاریؒ کی مطلوبہ روح شامل حال رہے اور جس سپرٹ سے آپؒ تعلیمات توحیدیہ طالبین تک پہنچانا چاہتے تھے من وعن ایسے ہی پہنچے۔

سب بھائی اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ آپؒ نے توحیدی مشن کے لیے اپنی حیات مبارکہ کو وقف کیے رکھا۔مجلّہ ''**فلاحِ آدمیت** ''، بھائیوں اور حلقہ جات سے ہمہ وقتی رابطہ میں آپ second to none تھے۔

عام گپ شپ کے انداز میں بھی مرکز و محور تعلیمات توحیدیہ ہی ہوا کرتی تھیں۔ پابندی وقت، محنت اور لگن میں آپ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔جوانی سے لے کر پیرانہ سالی تک ہمیں ان سے 41 سال تک وابستہ رہنے کا شرف حاصل رہا اور کبھی ہم نے ان میں سستی، کاہلی کا کوئی نشان تک نہیں دیکھا۔فرمایا کرتے تھے توحیدی اپنے کام اور کردار سے پہچانا جانا چاہیے۔ یہ ہمارا standard (معیار) ہے۔

آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب تعلیم کی سمجھ آگئی تو پھر پیچھے مڑ کے نہیں دیکھا۔کورنگی کریک میں حلقہ ذکر کے بعد ایک مرتبہ فرمایا کہ اب آپ قبلہ انصاری صاحبؒ سے توجہ لیں اور جنھوں نے قبلہ انصاریؒ کو نہیں دیکھا ہے وہ مجھ سے توجہ لے سکتے ہیں۔

کراچی میں اس وقت مختلف جگہوں پر ہفتہ وار حلقہ ذکر ہوتا تھا اور مہینے میں ایک مرتبہ ایک مرکزی حلقہ پورے کراچی کے برادران کا پہلے قبلہ انصاریؒ کے داماد جناب فخر الحسن صاحب کے یہاں ہوتا تھا جو بعد میں محترم بھائی جان تجمل صاحبؒ کے ہاں ماڈل کالونی ،ملیر کراچی میں

انعقاد پذیر ہونا شروع ہوگیا۔قبلہ ڈار رحمۃ اللہ علیہ کوئی ڈیڑھ سو طالبین کے ساتھ مرکزی حلقہ ذکر میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔حلقہ ذکر کا ایک سماں بندھ جاتا تھا۔

نہایت پیار و بردباری اور شیریں گفتاری سے دل نشین انداز میں تعلیمات پر روشنی ڈالتے اور وقت کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔آپؒ کے اپنے گھر میں بھائیوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا تھا خاص کر" **ویک اینڈ** "پر دوسرے حلقوں کے برادران آپؒ سے فیضیاب ہونے کے لیے آیا کرتے تھے اور عشاء کے بعد محافل کا آغاز ہوتا تھا اور بیٹھے بیٹھے فجر کی اذانیں ہو جایا کرتی تھیں۔تھکن کا احساس نہ نیند حتیٰ کہ غنودگی تک نہ آتی تھی۔البتہ جب فیض رسانی ہوتی تھی تو ہم کسی دوسری ہی دنیا میں پہنچ جایا کرتے تھے۔

قرآن پاک کے حوالہ جات،احادیث مبارکہ اور کلام اقبال ان روحانی محافل کی جان ہوا کرتے تھے۔

پاک فضائیہ سے شائع ہونے والے مجلوں میں اکثر آپ کے مضامین اور "انگریزی شاعری" شائع ہوا کرتی تھی اور آپؒ کو بارہا مضامین و شاعری میں انعامات سے نوازا گیا۔

بالآخر آپ کی ریٹائرمنٹ سے قبل آپ کے فرائض کو بطریق احسن سراہتے ہوئے آپ کو تمغہ خدمت اور چیف آف ائر سٹاف کی جانب سے حسن کارکردگی سرٹیفکیٹ بھی عطا کیے گئے اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا " **حسن کارکردگی** ' **سرٹیفکیٹ** تو آپؒ کو قبلہ انصاری صاحبؒ بیعت ہونے کے محض ایک سال کے عرصے میں عطا کر چکے تھے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ آپؒ کی حیات مبارکہ کو اپنا رول ماڈل بناتے ہوئے ہمیں بھی دامے ، درمے اور سخنے حلقہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالینا چاہیے۔ اسی میں ہماری دنیا،عقبیٰ اور روحانیت کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔اللہ کریم قبلہ ڈار صاحبؒ کو مزید بلندی درجات عطا فرمائے اور ہم سب کو تعلیمات پر ذاتی طور پر من وعن چل کے آگے تبلیغ و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

عبادت

(مولانا امین احسن اصلاحی)

اللہ کے ساتھ ہمارے تعلق کی دوسری بنیاد عبادت ہے۔بندے کے اندر جب اپنے منعم حقیقی کے لئے شکر کا جذبہ پیدا ہوتو یہ جذبہ قدرتی طور پر منعم کے لئے اظہار احسان مندی، اظہار نیازمندی اور اظہار تذلل کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔انسان کی فطرت کی ساخت ہی کچھ ایسی ہے کہ اپنے منعم و محسن کے لئے اس کی طرف سے آپ سے آپ، یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ انسان تو انسان حیوانات تک کی جبلت کا بھی یہی حال ہے۔کتے، بلی، گھوڑے، گدھے، جس کی بھی آپ پرورش کیجئے اور جس پر بھی کوئی احسان کیجئے ، ناممکن ہے کہ وہ آپ کو دیکھیں اور آپ کے سامنے اپنی نیازمندی اور اپنی ممنونیت کا اظہار نہ کریں۔یہ ممنونیت ان کی آواز، ان کی حرکات اور ان کی صورت و ہیئت، ہر چیز سے ظاہر ہوتی ہے۔

یہ چیز انسان کی فطرت کے اندر حیوانات کی جبلت کے لحاظ سے زیادہ نمایاں ہے اور زیادہ نمایاں ہونی چاہیے بھی۔چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جس کا بھی ہم پر کسی طرح کا کوئی احسان ہوتا ہے ہم اس کے احسان پر اپنی ممنونیت کا اظہار اپنی زبان سے بھی کرتے ہیں اور اپنی صورت و ہیئت سے بھی۔جو لوگ محسن کے احسان کا یہ حق ادا نہیں کرتے وہ ہمارے اندر کمینے اور نا احسان شناس سمجھے جاتے ہیں۔ہمارا یہ رویہ اپنے عام محسنوں کے ساتھ ہوتا ہے یا ہونا چاہیے اور یہی رویہ فطرت انسانی کا حقیقی تقاضا ہے۔پھر اسی سے اندازہ کیجئے کہ اس ذات کے انعامات و احسانات کے مقابل میں ہمارا کیا رویہ ہونا چاہیے جو نہ صرف تمام انعامات و احسانات ہی کا منبع ہے، بلکہ خود ہمارے وجود کا سرچشمہ بھی ہے اور جس کے انعامات و احسانات عارضی اور وقتی نہیں ہیں، بلکہ دائمی اور ابدی ہیں؟ ظاہر ہے کہ اپنے حقیقی محسن و مربی کے لئے بندہ اپنی کامل نیازمندی اور کامل بندگی

کا اظہار کرنا چاہے گا۔ اگر اس نے اپنی فطرت میں کوئی خرابی نہیں پیدا کر لی تو یہ چیز عین اس کی فطرت کا مطالبہ ہے، جس کو پورا کئے بغیر وہ دل کا اطمینان اور روح کا سکون حاصل ہی نہیں کر سکے گا۔ اگر کسی کے اندر یہ چیز ظاہر نہ ہو رہی ہو تو غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس کے دل کے اوپر یا تو غفلت کا حجاب ہے یا حماقت کا۔ غفلت کی حقیقت تو اس سلسلہ مباحث میں مختلف موقع پر ظاہر کی جا چکی، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، رہی حماقت تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ بہت سے لوگ ان اسباب و وسائط ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں جو ان کے حقیقی منعم کے درمیان حائل ہوتے ہیں۔ حقیقی منعم کا یا تو ان کو کوئی خیال ہی نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو بالکل ضمنی اور محض سرسری طور پر۔

اسی اظہار ممنونیت و نیازمندی اور اسی اظہار تذلل کو عبادت کہتے ہیں۔ یہ اظہار زبان، حرکات اور صورت و ہیئت ہر چیز سے ہوتا ہے۔ جب تک ہر چیز سے یہ اظہار نہ ہو اس کی اصلی حقیقت وجود پذیر نہیں ہو سکتی۔ اس وجہ سے آدمی کی عبادت کی تکمیل میں اس کی ہر چیز کسی نہ کسی نوعیت سے شریک ہوتی ہے۔ سر سے لے کر پاؤں تک اس کے جتنے بھی اعضاء و جوارح ہیں سب اس میں اپنا حصہ ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح اس کے اندر جتنی بھی عقلی و روحانی قابلیتیں ہیں سب اس میں اپنا نذرانہ پیش کرتی ہیں، بلکہ اس کی حقیقی تکمیل ہوتی ہی اس وقت ہے جب آدمی اپنے ان وسائل و ذرائع کو بھی اس کام میں شریک کرے جن سے وہ اس دنیا میں اپنی ضروریات، اپنی خواہشوں اور منصوبوں کی تکمیل کرتا ہے۔

یہ بات کچھ زیادہ دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ اللہ کی عبادت درحقیقت اس جذبہ شکر گزاری کا مظہر ہے جو اپنے منعم حقیقی کے لئے بندے کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اس کا سب سے زیادہ واضح ثبوت سورہ فاتحہ ہے جو اپنے موضوع کے اعتبار سے شکر کی سورہ ہے اور اس کو اسلام کی سب سے بڑی عبادت، نماز، کی خاص سورہ قرار دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں فاتحہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے پر اللہ کی ربوبیت اور اس کی رحمانیت اور **رحیمیت** کی شانوں کے مشاہدے سے شکر گزاری کا جو جذبہ طاری ہوتا ہے اس کا پہلا تقاضا جو اس کی زندگی میں نمایاں ہوتا ہے

وہ ایاک نعبد (ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں) کا اقرار ہے۔

قرآن مجید کے دوسرے مواقع سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادت درحقیقت اللہ کی شکرگزاری ہی کی عملی صورت ہے۔مثلاً فرمایا ہے:

"بلکہ صرف اللہ ہی کی بندگی کرو اور اسی کے شکرگزاروں میں سے بنو"۔(الزمر ۳۹:۶۶)

دوسری جگہ فرمایا"اور اسی کی بندگی کرو اور اسی کے شکرگزار بنو۔(العنکبوت ۲۹:۱۷)

نبی کریم ﷺ کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ رات میں نمازوں میں اتنی اتنی دیر تک قیام فرماتے کہ آپ کے دونوں پاؤں سوج جاتے۔ایک اور روایت ملاحظہ ہو:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا:یارسول اللہ!جب آپ ﷺ کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ بخشے جا چکے ہیں تو آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ!کیا میں یہ بات نہ چاہوں کہ اللہ کا شکرگزار بندہ بنوں؟۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ عبادات میں اصل محرک اللہ کی شکرگزاری کا احساس اور جذبہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اگر ہمیں اپنی عبادات کا حکم دیا ہے تو اس لئے نہیں کہ اس کو یہ بات پسند آئی کہ وہ ہمیں کسی مشقت اور زحمت میں مبتلا کرے، بلکہ اس نے یہ پسند فرمایا کہ ہمارے جذبۂ شکرگزاری کے اظہار کے لئے ایسی شکلیں معین فرمادے جو اس کی نگاہوں میں پسندیدہ اور ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ نافع اور موجب خیر و برکت ہیں۔

عبادت کی روح کے لحاظ سے حقیقی عبادت وہی ہے جو اللہ کی شکرگزاری کے سچے جذبے کے ساتھ ادا کی جائے۔اگر کوئی عبادت اس جذبے سے خالی ہو، آدمی اس کو ایک بار اور ایک مصیبت سمجھ کر کسی نہ کسی طرح اس سے جان چھڑانے کی کوشش کرے، تو یہ عبادت وہ عبادت نہیں جو اللہ کے ہاں قبولیت کا درجہ حاصل کرے۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ بندہ اللہ کی عبادت کر کے درحقیقت وہ سب سے بڑا حق ادا کرتا ہے جو اس کے خالق و مالک اور منعم و محسن پروردگار کا اس کے اوپر عائد ہوتا ہے

اور یہ حق وہ اس لئے ادا نہیں کرتا کہ اس میں اس کے خالق و مالک کا کوئی نفع ہے، بلکہ محض اس لئے ادا کرتا ہے کہ اس میں خود اس کا اپنا سراسر نفع ہے۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو ان انعامات کا مزید سزاوار بناتا ہے جو اس کو اس کے ربّ کی جانب سے بلا کسی استحقاق کے حاصل ہیں۔ قرآن مجید کی متعدد آیات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی عبادت درحقیقت اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ خالق ہے، مالک ہے، مربی ہے، پروردگار ہے، نہ اسلئے کہ اس کے کرنے سے خدا کو کوئی نفع پہنچتا ہے یا نہ کرنے سے اس کو کوئی نقصان پہنچتا ہے۔

دعائے مغفرت

گوجرانوالہ سے بھائی عبدالمجید صاحب

گوجرانوالہ سے بھائی احمد رضا خان صاحب کی ممانی صاحبہ

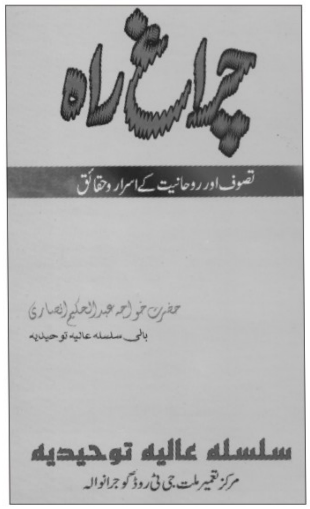
نوکھر سے خادم حلقہ حافظ محمد یٰسین کے پھوپھو زاد بھائی کی بیگم

ملتان بستی دین پور سے محمد منیر بھائی کی والدہ

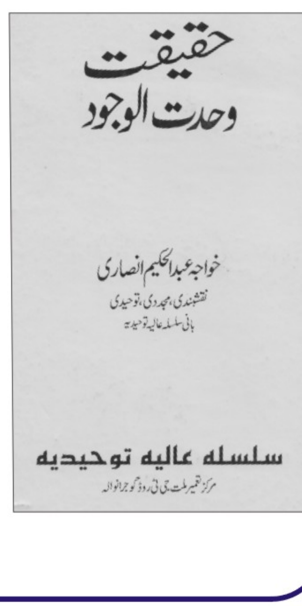
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



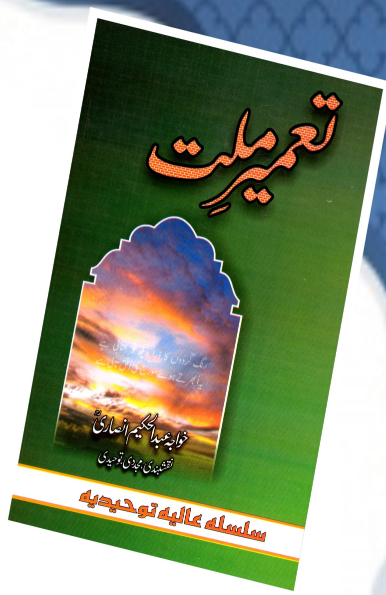
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



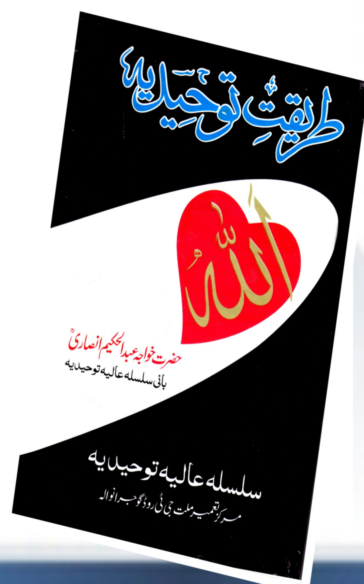
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com